تعمیرِ حیات
لکھنؤ
پندرہ روزہ

جلد نمبر ۳۱ — مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ — شمارہ نمبر ۷

۲۸ / شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
۱۰ / فروری ۱۹۹۴ء

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمود الازہار ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید

زرِ تعاون ملکی
سالانہ ۱۰۰ / روپئے
فی شمارہ ۵ / روپئے

بیرونِ ممالک ہوائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۲۵ / ڈالر

بیرونِ ممالک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ — ۱۰ / ڈالر

خط و کتابت کا پتہ
منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس نمبر 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

لوٹ

بہ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جا رہا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے گوپال آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

درسِ حدیث

ایمان کی مٹھاس

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

(۳)

گذشتہ سلسلۂ مضمون میں گذر چکا ہے کہ: (کفر کی طرف دوبارہ لوٹنا اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا) یہ جملہ اللہ واسطے محبت اور ایمان کی حلاوت کی تشریح کے بعد لایا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر ایمان جب دلوں میں جم جاتا ہے اور دل کی بشاشت میں رچ بس جاتا ہے تو ایسے شخص کو کفر کی ہر قسم سے نفرت ہو جاتی ہے، ہر غلط چیز اس کو ناگوار ہوتی ہے، وہ ہر قسم کی گمراہی سے دور بھاگتا ہے بلکہ اس سلسلہ میں بندۂ مومن کے احساسات بہت تیز ہو جاتے ہیں، جس سے وہ حق و باطل اور ایمان و کفر میں فرق کرنے لگتا ہے، کفر کی تمام اقسام مثلاً عہد حاضر میں سیکولرزم قومیت جنسیت، اشتراکیت، اور کفر صریح یعنی کھلی ہوئی بت پرستی، علانیہ الحاد اور بے دینی، ہمارے موجودہ زمانہ میں ارتداد و بے دینی کے طرح طرح کے طریقے اور الگ الگ رنگ و روپ ہیں جو بعض بھولے بھالے اور سیدھے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اس پر ایسا دلکش رنگ روغن چڑھا رہتا کہ اس کا سادہ لوح لوگوں کا سمجھنا اور پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔ عہد حاضر میں ارتداد کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک مسلمان خاص مقصد کے تحت قومیت کے شعار کو رواج دے اسی کی دعوت اور اس کی ساری تگ و دو اسی کے لیے ہو، خلافت اسلامی کے خاتمہ کے فوراً بعد یہودیوں نے اسلامی ممالک میں قوم پرستی کے شعور و جذبات کو ابھارا کیوں؟ تا کہ مسلمانوں کی طاقت پاش پاش ہو وہ متحد رہنے کے بجائے امت مسلمہ کی حیثیت سے ایک جسم ہونے کے بجائے قومیت کے خانوں میں بٹ کر۔ کرد، ترکی، اور عرب الگ قوموں میں بٹ کر ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیں اور اس طرح اسلام کو حکومت سے بے دخل کر دیا جائے اور شریعت اسلامی کو زندگی کے تمام شعبوں سے نکال دیا جائے، دین و عقیدہ کو چھوڑ کر مسلمان صرف قومیت کی بنیاد پر آپس میں لڑتے رہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔

اشتراکیت

یعنی یہ کہ ایک مسلمان اشتراکیت کے اصول و ضابطہ کو اپنائے لوگوں کو اسی کو اپنانے کی دعوت دے اس کی ساری تگ و دو اسی میں صرف ہو اس یقین و اعتقاد کے ساتھ کہ تنہا وہی ایسا اصول و ضابطہ ہے جو مزدور کو اس کا حق دیتا ہے، کم آمدنی والوں کو سہارا دیتا ہے اور اس کے ذریعے سے انسانی معاشرہ سے "تین کا گٹھ جوڑ" کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکے گا۔ فقر و فاقہ، بیماری اور جہالت کا خاتمہ کر دے گا، اس کے ذہن و دماغ میں یہ بات قطعاً نہیں آتی کہ اسلام نے ایک ایسا زبردست اجتماعی نظام پیش کیا ہے جو فقراء کی ضرورتوں کو پورے طور پر حل کرتا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے (وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ) اور ان کے مال میں مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا ہے۔

• ارتداد کی ایک شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو پوری کائنات کا مالک و خالق ہے کسی اور کو حکومت اور قانون سازی کا حق دیا جائے ہر وہ شخص جو اللہ عز و جل کے علاوہ کسی اور کی حاکمیت کا اعتقاد رکھتا ہو یا اس پر مطمئن ہو، وہ مرتد و کافر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) (نساء - ۶۵)۔

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔ تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

• ارتداد کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کتاب و سنت کے کسی جز کا مذاق اڑایا جائے، جیسا کہ "سلمان رشدی" نے اپنی کتاب آیات الشیطان میں سنت کے نقوش کا مذاق اڑایا ہے۔

• ارتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ منکرین خدا، منافقوں اور بے دینوں سے اس امید میں ربط و ضبط رکھا جائے کہ ان کے ساتھ رہنے سے عزت حاصل ہو گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ"۔ (مائدہ - ۵۱)

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انھیں میں سے ہو گا۔ بیشک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

(باقی صـ ۲۶ پر)

جن کو خدا نے نوازہ وہ اگر اپنی انواع واقسام کی نعمت میں کچھ کمی کرکے ان غریبوں کا حصہ لگائیں تو ان کے روزوں کا ثواب دوبالا ہو جائے گا اور شاید یہ ادا مالک کو کچھ ایسی پسند آئے کہ رمضان المبارک کے سلسلہ میں جو فضائل و برکات بیان ہوتے ہیں ان کے بڑے حصہ کو حاصل کرنے کی توفیق و سعادت مل جائے ہم کو روزہ کے اجر و ثواب کے سلسلہ میں جو سنایا اور بتایا جا رہا ہے اس پر پورا یقین بھی ہونا چاہیئے۔

روزہ دار کے پچھلے تمام گناہوں کے معاف کرنے کا وعدہ اس یقین ہی پر فرمایا ہے فرمایا گیا۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه۔ جو شخص ایمان ویقین اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے روزہ رکھے گا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے لہٰذا روزہ کے جو فضائل بھی آپ سنیں اس میں شک نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے ملنے کا یقین رکھیئے۔ ہاں اس کا خیال رہے کہ کہیں ہم خود ہی اپنے روزہ کو ایسا ناقص نہ بنالیں کہ اس اجر کے لائق نہ رہے۔ ان سب باتوں کی تفصیل آپ کو اسی شمارہ کے دوسرے مضامین میں ملیں گی۔ یہاں تو یہ کہنا مقصود تھا کہ۔

یہ خیر و برکت اور آقا کی بے پناہ نوازش کی گھڑیاں غفلت میں نہ گذر جائیں اور اگلا رمضان آنے سے پہلے کتاب زندگی کا ورق ہی پلٹ جائے۔ لہٰذا یہ خیال کرکے کہ۔

ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب
اور دورِ بادۂ کوثر چلے

یہ مبارک گھڑیاں فکر و اہتمام کے ساتھ گذاریں۔

نماز تراویح میں حفاظ کرام کی عجلت

مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

بعض لوگ تراویح سے جلد فارغ ہونے کے لیے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سبحانک اللھمّ بھی نہیں پڑھتے اور التحیات کے بعد درود شریف تو کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں اور نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزا میں یہ گڑبڑ نہ کرتے اور قرآن کریم بھی اس تیزی سے پڑھتے ہیں کہ بجز یعلمون و تعلمون کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پڑھا۔ غرض یہ خواہش ہوتی ہے کہ جلدی سے خلاصی ہو جائے۔

ایک سررشتہ دار اور ایک ان کے نائب دونوں ایک ہی کچہری میں تھے۔ انگریز ان کو نماز کے وقت اجازت دے دیتا تھا۔ تم نماز پڑھ آؤ۔ سررشتہ دار صاحب تو نمازی تھے۔ وہ تو نماز خشوع و خضوع کے ساتھ اطمینان سے پڑھ کر آتے تھے اور نائب صاحب بے نمازی تھے۔ وہ تھوڑی سی دیر میں واپس آجاتے تھے۔ صاحب نے ایک روز پوچھا کہ تم بہت جلد واپس آجاتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز نہیں پڑھتا۔ کہا کہ حضور! سررشتہ دار صاحب نئے نمازی ہیں، نماز ان کو آتی نہیں۔ وہ سوچ سوچ کر پڑھتے ہیں۔ اور مجھ کو نماز کی خوب مشق ہے۔ پرانا نمازی ہوں اس لیے جلدی پڑھ کر واپس آجاتا ہوں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہماری نماز کی مثال ایسی ہے جیسی کہ گھڑی کہ اس کو کوکنے کی ضرورت تو ہوتی ہے مگر جب ایک مرتبہ کوک دی تو پورے چوبیس گھنٹے کے بعد وہ بند ہوگی۔ اسی طرح ہماری نماز ہے کہ شروع کر دی تو مشین کی طرح تمام ارکان ادا ہو رہے ہیں۔ السلام علیکم ہی پر جاکر ختم ہوتی ہے۔ خصوصاً تراویح کا تو بہت ہی ناس کرتے ہیں۔ حالانکہ نماز کی ہیئت اور اس کے تمام احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قلب کی بہت ہی رعایت رکھی گئی ہے چنانچہ ہر چار رکعت پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے کا قاعدہ ہے۔ وہ اسی لیے ہے کہ جو تکان ہوگئی ہے اس سے سکون ہو جائے اور نشاط عود کر آئے تاکہ آئندہ چار رکعت اطمینان سے ادا ہوں۔ اب بعض حفاظ تو بالکل بیٹھتے ہی نہیں اور جو بیٹھتے ہیں وہ پالا سا چھوڑ دیتے ہیں۔ آج کل لوگ دو طرح سے ظلم کرتے ہیں۔ بعض تو یہ کرتے ہیں کہ تین تین چار چار پارے پڑھتے ہیں اور بعضے تو پڑھتے ہیں سوا ہی۔ مگر بہت آہستہ رفتار سے پڑھتے ہیں۔ رمضان میں ان حفاظ کی عملداری ہوتی ہے جس طرح چاہتے ہیں یہ بیچارے مقتدیوں کو دق کرتے ہیں توسط کی رعایت ہر حال میں ہونی چاہیے۔ نہ اتنی طویل ہو کر گرانی ہونے لگے نہ اس قدر تعجیل ہو کہ قرآن اور نماز کے حقوق بھی فوت ہو جائیں۔

قارئین کرام توجہ فرمائیں

عید الفطر کی تعطیل کی وجہ سے ۲۵ فروری و ۱۰ مارچ ۱۹۹۴ء کا شمارہ (۸ تا ۹) مشترکہ شائع ہوگا جس کی قیمت R. 15/= ہوگی۔

(ادارہ)

روزہ کی حقیقت

مولانا سید سلیمان ندوی ؒ

انسان کی ہر قسم کی روحانی بدبختیوں اور ناکامیوں کے علل واسباب کی اگر تحلیل کی جائے تو آخری نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ دنیا میں مختلف ضرورتوں کا محتاج ہے وہ مختلف اغراض کا پابند ہے۔ اس کے دل کی کوئی جنبش اور اس کے عضو کی کوئی کوشش ضرورت اور غرض سے خالی نہیں، اخلاق جس کا ایک حد تک روحانیت سے تعلق ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو اس کی بنیاد بھی کسی ضرورت یا غرض نفسانی پر مبنی نظر آئے گی۔ اسلئے اصل میں ہماری ہر قسم کی بدبختیاں اور آلودگیاں صرف ایک ہی علت کا نتیجہ ہیں۔ ضرورت اور غرض۔ اگر انسان ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے تو وہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ انسان کی ضرورتوں کا اور اس کے مختلف اغراض و مقاصد کا جو ایک وسیع اور غیر متناہی سلسلہ نظر آتا ہے اس کی اصل حقیقت کتنی ہے۔ ہمارے دل میں آرزوؤں کا ایک مدفن ہے، تمناؤں کی ایک بھیڑ ہے، خود ساختہ ضرورتوں کا ایک انبار ہے لیکن کیا خوشنما کپڑوں عالیشان عمارتوں، لذیذ غذاؤں، تیز رفتار سواریوں کے بغیر ہم جی نہیں سکتے، فرزند و عیال، زر و مال، خدم و حشم سے اگر ہمارے کاشانے خالی ہوں تو کیا ہماری زندگی کے کسی لمحہ کو بھی یاس انگیز ساعت کا انتظار ہوگا۔ بادشاہوں نے فقیروں کی زندگی بسر کی ہے اور زندہ رہے ہیں۔ قارون وقت دم بھر میں ابراہیم ادھم بن گئے اور جیتے رہے۔

خود ساختہ ضرورتوں کی نفی و تحلیل کے بعد شاید انسان کی حقیقی ضرورتوں کا وسیع دائرہ ایک دو لفظوں میں محدود ہو کر رہ جائے اور وہ "مایۂ قوت و غذا" ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، بقائے روح اور تحفظ جان، سدِ رمق پر موقوف ہے اور سدِ رمق اکل و شرب پر موقوف ہے اور سچ یہ ہے کہ اس کے بعد کی تمام انسانی ضرورتوں کا مولد و منشا یہی قوت و غذا اور اکل و شرب کا سرمایہ ہے اس بنا پر ایک انسان اور ایک فرشتہ میں عالم ملکوت اور عالم ناسوت کے دو باشندوں میں اگر فصل و امتیاز کی دیوار قائم کی جائے، تو صرف یہی ایک چیز تمام فصول و امتیازات کو محیط ہوگی۔

اسی بنا پر دنیا کے تمام مذاہب میں جو زمانہ کے کسی ادوار میں بھی پیدا ہوئے ہیں، مادیات کی کثافتوں سے بری اور پاک ہونے کے لئے اکل و شرب سے امتناع سب سے پہلی شرط قرار دی گئی ہے جس سے اصل مقصود یہ تھا کہ انسان رفتہ رفتہ ضرورتوں کا دائرہ کم کردے اور آخر یہ کہ قوت و غذا کی طلب و حرص سے بھی بے نیازی کے لئے متواتر کوشش جاری رکھے کہ انسانوں کے تمام گناہ اور جرائم نفسانی صرف اسی ایک قوت کے نتائج مابعد ہیں، اگر یہ طلب و ضرورت فنا ہو جائے تو ہم کو دفعتہً عالم ناسوت میں عالم ملکوت کی جھلک نظر آنے لگے لیکن جب تک انسان انسان ہے اس کو غذا سے قطعی بے نیاز ہونا ناممکن ہے۔ اس بنا پر تمام مذاہب نے اس سے اجتناب اور بے نیازی کی ایک مدت محدود کر دی ہے اس مدت کے اندر انسان کو تمام انسانی ضروریات جن سے استغنا کسی زمانہ تک ممکن ہے، مجتنب ہو کر تھوڑی دیر کے لئے ملاء اعلیٰ کی مخلوقاتِ مقدسہ میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ اور چونکہ ان مخلوقات کا محض خدائے پاک کی اطاعت و عبادت فرض زندگی ہے، اسلئے انسان بھی اتنی دیر بھی اپنی زندگی کا حتی الامکان یہی فرض قرار دے۔

قرآن مجید نے ان تمام حقائق و رموز کو صرف ایک لفظ تقویٰ سے بے نقاب کر دیا ہے اور چونکہ روزہ کی یہ حقیقت تمام مذاہب میں مشترک تھی اس بنا پر قرآن مجید نے دیگر مذاہب کو بھی اجمالاً اس حقیقت میں شریک کر لیا ہے۔

کتب علیکم الصیام	مسلمانو! تم پر روزہ لکھا گیا جس طرح
کما کتب علی الذین	تم سے پہلی امتوں پر لکھا گیا تاکہ تم
من قبلکم لعلکم تتقون	پرہیزگار بن جاؤ۔

لیکن آگے چل کر قرآن پاک روزۂ اسلام کی دو اور مخصوص حقیقتوں کو واضح کرتا ہے۔

لتکبروا اللہ علی ما	تاکہ خدا کی اس عطائے
ھداکم ولعلکم	ہدایت پر تم اس کی بڑائی
تشکرون۔	کرو اور شکر ادا کرو۔

اس مفہوم کی توضیح کے لئے ہم کو رمضانِ مبارک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

رمضان اور لیلۃ القدر

یہ مادی عالم جس طرح نظام اور قانون کا پابند ہے، خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور سلسلۂ علل و اسباب قائم کر رکھا ہے، جس یقین کے ساتھ تم یہ دعویٰ کر سکتے ہو کہ زہر انسان کے لئے قاتل ہے اسی یقین کے ساتھ طب روحانی کا واقف کار کہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے پیغمبر فیضانِ نبوت کے قبول کے لئے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے، دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات میں ہوتا ہے۔

وہ اپنے دعویٰ کو کس طرح پیش کرتا ہے، انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر تہا ہجرت الی اللہ کرتا ہے، پھر کیونکر منکرین دعوت ناکام و خاسر اور اہلِ ایمان کامیاب اور مفلح ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک درجہ اور مرتبہ منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور پذیر ہوتا ہے قرآن مجید میں جا بجا تیرہ مقامات پر سنۃ اللہ کا جو لفظ آیا ہے، حقیقت میں اس سے زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفۂ تاریخ، سیاسی واقعات کی تکرار اور بار بار کے اعادۂ حوادث سے جس طرح اصولی نتائج تک پہنچکر ایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہے، بعینہٖ اسی طرح تاریخِ نبوتی اپنے بار بار کے اعادۂ واقعات سے اصلی قانون ہمارے لئے قرار دیتی ہے، پیغمبر دنیا میں ناسوت و ملکوت کی ایک مجموعی قوت اور متحد وجود ہوتا ہے، وہ اپنے کمالِ انسانیت کو پہنچکر جب فیضانِ نبوت کے قبول و استعداد کا انتظار کرتا ہے تو ایک مدت تک کے لئے عالمِ انسانی سے بلند ہوکر، ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے، اس مقام پر پہنچکر وہ انسانیت کی تمام ممکن الاحتراز ضروریات سے پاک ہوجاتا ہے اور پھر اسی ساعت سے اس کے دل و ذہن میں وحیِ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے، کوہِ سینا کا پر جلال پیغمبر (حضرت موسیٰ) جب تورات لینے کو جاتا ہے، تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے[1]، کوہِ سعیر کا مقدس آنیوالا (حضرت عیسیٰ) اس سے پہلے کہ اس کے منہ میں انجیل کی زبان گویا ہو۔ وہ چالیس روز و شب جنگل میں بھوکا اور پیاسا رہا[2]۔ فاران کا آتشیں شریعت لانے والا پیغمبر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نزولِ قرآن سے پہلے حرا کے غار میں ایک ماہ کامل متحنث رہتا ہے، اور بالآخر اسی اثنا میں ناموسِ اکبر "اقرء باسم ربک الذی خلق" کا مژدۂ جانفزا لیکر نمودار ہوتا ہے[3]۔

یہ واقعہ کس ماہِ مبارک کا تھا؟

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن،	رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اترا۔

یہ کس شبِ اقدس کی داستان ہے،

انا انزلناہ فی لیلة مبارکة (دخان)	ہم نے قرآن کو ایک مبارک شب میں اتارا،

اس مبارک شب کو ہم کس نام سے جانتے ہیں؟

انا انزلناہ فی لیلة القدر، (القدر)	ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا۔

ان آیات کے استقصاء سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن نے سب سے پہلی بار دنیا میں نزول کیا، اور پیغمبرِ امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عالم کی رہنمائی اور انسانوں کی دستگیری کے لئے سب سے پہلی بار دستورِ نامۂ الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ عنایت کیا گیا، قرآن کا حامل اور اس وحیٔ الٰہی کا مہبط آخر میں ان دنوں ایک غار کے پردے میں یکہ و تنہا بھوکا اور پیاسا سر بہ زانو تھا۔ اس بنا پر اس ماہ مقدس میں بھوکا پیاسا رہنا (روزہ) کسی عبادت گاہ میں یکہ و تنہا رہنا (اعتکاف) شبِ نزولِ وحی میں بیدار و سربسجود رہنا (عبادتِ لیلۃ القدر) تمام پیروانِ محمدی کے لئے لازم و فرض تھا۔ اسی لئے اس نے کہا،

ان کنتم تحبون اللہ، فاتبعونی یحببکم اللہ،	اگر تم خدا کو پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہیں پیار کرے گا،

اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت اسلام میں کیا ہے، اور روزوں کے لئے رمضان کی تخصیص کس بنا پر ہے،

ہم نے پہلے بیان کیا تھا کہ حصولِ تقویٰ کے علاوہ جو تمام مذاہب کے روزوں کی مشترک بنیاد ہے، اسلامی روزوں کے دو اور اساس ہیں تکبیر اور شکر، خدائے پاک روزوں کی غایت تقویٰ کے علاوہ حسب ذیل بیان فرماتی ہے۔

لتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم و لعلکم تشکرون	روزہ اس لئے فرض ہوا تاکہ تم اس عطائے ہدایت پر خدا کی بڑائی کرو، اور شکر ادا کرو۔

اس بنا پر دیگر مذاہب سے زائد اسلامی روزہ کی یہ بھی غایت ہے کہ اس ماہ مقدس میں بقدر امکان ان ہی حالات و جذبات میں متکیف ہوں جن میں وہ حاملِ قرآن متکیف تھا، کہ وہ دنیا کی ہدایت یابی اور رہنمائی کی یادگاری تاریخ ہو، یہ جذبات و حالات جن کو مبلغِ قرآن کی پیروی میں ہم اپنے اوپر طاری کرتے ہیں یہی اس محسنِ اعظم کی اس عطائے ہدایت پر بڑائی اور شکرگذاری ہے۔

---

[1] خروج ۳۴-۲۰ [2] متی ۴-۲

[3] صحیح بخاری حدیث بدء الوحی،

(بقیہ)

یہودیت سے اسلام تک

تو میں التزام سے اس مقدس کتب کی تلاوت کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور ایک بار جب میں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہر طرف سے مجھے مدد ملنے لگی۔ عرصہ پہلے میں نے اپنے دوست سے کہا تھا کہ وہ مجھے نماز پڑھنا سکھادے۔ لیکن اس نے ہامی نہ بھری تھی۔ وہ مجھ سے بہتر جانتا تھا کہ ابھی میں اس کے لئے تیار نہ تھی۔

اپنی حد تک میں کچھ عرصے سے مسلمان ہوچکی تھی۔ تاہم دنیا کے سامنے میں نے ۹ فروری ۱۹۹۲ء کو اسلام قبول کرلیا۔ اس نعمت سے بہرور ہونے پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ بجالاتی ہوں الحمدللہ!

روزہ کے مقاصد اور زندگی پر اس کے اثرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

امام غزالیؒ نے اپنے مخصوص اندازِ بیان میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

"روزہ کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاق الٰہیہ میں سے ایک اخلاق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو صمدیت کہتے ہیں وہ امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہوجائے، اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ بھی بہائم سے بلند ہے نیز خواہشات کے مقابلہ کے لئے اس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے، البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اکثر اس پر غلبہ پالیتی ہیں اور اس کو ان سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل سافلین تک جا پہونچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جاملتا ہے۔ اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہونچ جاتا ہے[1]۔"

علامہ ابن القیمؒ اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"روزہ سے مقصود یہ ہے کہ نفسِ انسانی خواہشات اور عادتوں کے شکنجہ سے آزاد ہوسکے اس کی شہوانی قوتوں میں اعتدال اور توازن پیدا ہو اور اس ذریعہ سے وہ سعادتِ ابدی کے گوہرِ مقصود تک رسائی حاصل کرسکے اور حیاتِ ابدی کے حصول کیلئے اپنے نفس کا تزکیہ کرسکے، بھوک اور پیاس سے اسکی تیزی اور شہوت کی حدت میں تخفیف پیدا ہو اور یہ بات یاد آئے کہ کتنے مسکین ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں وہ شیطان کے راستوں کو اس پر تنگ کردے اور اعضاء و جوارح کو ان چیزوں کی طرف مائل ہونے سے روک دے جن میں کی دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہے۔ اس لحاظ سے یہ اہلِ تقویٰ کی لگام، مجاہدین کی ڈھال، اور ابرار و مقربین کی ریاضت ہے[2]۔"

علامہ موصوف روزہ کے اسرار و مقاصد پر نہایت بلاغت کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:۔

"روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے، فاسد مادہ کے جمع ہوجانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں اس سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے جو چیزیں مانعِ صحت ہیں ان کو خارج کردیتا ہے اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں وہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت ممد و معاون ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[3] ۝

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصوم جُنَّةٌ	روزہ ڈھال ہے۔

چنانچہ ایسے شخص کو جو نکاح کا خواہشمند ہو اور استطاعت نہ رکھتا ہو، روزہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور اسکو اس کا تریاق قرار دیا گیا ہے، مقصود یہ ہے کہ روزہ کے مصالح اور فوائد چونکہ عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کی رو سے مسلمہ تھے اسلئے اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کی خاطر محض اپنی رحمت اور احسان سے فرض کیا ہے[4]۔

اسی سلسلہ کلام پاک میں آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"چونکہ قلب کی اصلاح اور استقامتِ حال سلوک الی اللہ اور جمعیتِ باطنی پر منحصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکلیہ توجہ و انابت پر اس کا دار و مدار ہے، اس لئے پراگندہ خاطری اس کے حق میں سخت مضر ہے، کھانے پینے کی زائد مقدار، لوگوں سے زیادہ میل جول، ضرورت سے زیادہ گفتگو وہ چیزیں ہیں جن سے جمعیتِ باطنی میں فرق آتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ سے منقطع ہوکر مختلف راستوں پر بھٹکنے لگتا ہے، بعض وقت محض اسی وجہ سے اس کی راہ کھوٹی ہوتی ہے (باقی ص۱۱ پر)

(باقی ص۱۱ پر)

---

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص۲۱۲ [2] زاد المعاد ج ۱ ص۱۵۲

[3] سورۂ بقرہ ۱۸۳ [4] زاد المعاد ج ۱ ص۱۵۲

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

برکات ربانی کی سب سے پہلی بارش

شبِ قدر میں اقوام عالم کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا

شب قدر میں اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا اور برکات ربانی کی سب سے پہلی بارش ہوئی۔ رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے۔ جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے۔ قرآن کریم میں اس کو ہزار مہینوں سے بہتر بتلایا ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے نبی علیہ السلام نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ کی امت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر وہ نیک اعمال میں عمر بھی کھپائے تو بھی برابر نا ممکن ہے۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی میں یہ رات مرحمت ہوئی۔ بعض روایات میں یوں بھی منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار حضرات کا ذکر فرمایا حضرت ایوب ؑ، حضرت زکریا ؑ، حضرت حزقیل ؑ حضرت یوشع ؑ جو اسّی اسّی برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ اس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو حیرت ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ اور سورۃ القدر سنائی۔

لیلۃ القدر کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے منقول ہے۔

"عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من قام ليلة القدر إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه" (الصحيحين)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت) کے لیے کھڑا ہو۔ اس کے تمام پچھلے گناہ (نہ حقوق العباد) معاف کیے جاتے ہیں۔

آیئے شب قدر کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں مکے سے تین میل کی مسافت پر کوہ حرا واقع ہے آج سے (چودہ سو تیرہ ۱۴۱۳ برس پہلے ایام رمضان میں سخت گرمی کے دن تھے۔ اور شدت گرمی سے ریگستان بطحا کا ذرہ ذرہ تنور بن رہا تھا۔ اس کوہ حرا کے ایک تیرہ و تاریک غار میں مادیات عالم سے ایک کنارہ کش نوجوان سربزانو تھا۔

وہ بھوکا تھا لیکن بھوکا نہ تھا، کہ اس کے پاس کھانے کی وہ چیز تھی جس کو کھا کر پھر انسان کبھی بھوکا نہیں ہوتا۔ وہ پیاسا تھا۔ لیکن وہ پیاسا نہ تھا کہ اس کے پاس پینے کی وہ چیز تھی جس کو پی کر پھر انسان کبھی پیاسا نہیں ہوتا، وہ تین تین چار چار دن کھانا پینا چھوڑ دیتا تھا اس کے جاں نثار بھی اس کی محبت میں کھانا پینا چھوڑ دیتے۔ لیکن وہ ان کو منع کرتا تھا کہ تم میں کون میری طرح ہے۔ میں بھوکا ہوتا ہوں تو میرا آقا مجھ کو کھلاتا ہے۔ میں پیاسا ہوتا ہوں تو میرا آقا مجھ کو پلاتا ہے۔

کوہ حرا کا عزلت نشیں اسی طرح بھوکا پیاسا سربزانو تھا۔ کہ ایک نور بے کیف نے تیرہ و تار غار کو روشن کردیا، وہ نور بے کیف کیا تھا؟ ہدایت و عرفان کا ایک آفتاب تھا۔ جو مطلع حظیرۃ القدس سے طلوع ہو کر اس کے سینے میں غروب ہو گیا بے شک اس نے تو یہ کلام آپ کے دل پر اتارا ہے۔ پھر اس کے سینے سے نکل کر تمام عالم کو اس کی شعاعوں سے روشن کر دیا۔

وہ آفتاب جس کا مطلع حظیرۃ القدس تھا۔ وہ آفتاب جس کا مغرب سینۂ نبوی تھا۔ وہ آفتاب جس نے عالم کو منور کیا۔ قرآن مجید تھا۔ جو ماہ مقدس کی شب مبارک میں آسمان سے زمین پر نازل ہونا شروع ہوا۔ رمضان المبارک میں خدا کا کلام بندہ کو پہونچنا شروع ہوا۔ پس ان ایام میں ہماری بھوک، ہماری پیاس، ہمارا حادثات عالم سے اجتناب اس یادگار میں ہے کہ ہم تک جو خدا کا پیغام لایا۔ وہ ان دنوں بھوکا اور پیاسا تھا۔ اور وہ تمام لذائذ مادی سے مجتنب تھا۔

رمضان المبارک کی حقیقت یہی ہے کہ وہ ماہ جس میں داعئ اسلام حسب اتباع نوا نبوت، تحمل نزول، قرآن کے لیے ضروریات مادیہ عالم سے مستغنی رہا۔ اور اس لیے ضروری ہوا کہ پیروان ملت اسلامیہ اور متبعین طریقت محمدیہ ان ایام میں ضروریات مادہ عالم سے مستغنی رہیں۔

وہ کون سی شب مبارک تھی۔ جس میں خدا کا کلام روح بن کر ایک انسان میں ڈالا گیا۔ وہ لیلۃ القدر یعنی عزت و حرمت کی رات تھی۔ بے شک وہ عزت و حرمت کی رات تھی۔ وہ رات تھی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ آسمان والوں کی باتیں زمین والوں کو سنائیں۔ وہ امن و سلامتی کی رات تھی کہ اس میں دنیا کے لیے امن و سلامتی کا پیغام آیا۔

وہ شب کیا عجیب شب تھی، دنیا عصیان و حق ناشناسی کی تاریکی میں مبتلا تھی دیو باطل کا تمام عالم اسلام پر استیلا تھا، توحید کا چہرۂ نورانی کفر و شرک کی ظلمت میں محجوب تھا۔ نیکیاں بدیوں سے شکست کھا چکی تھیں۔ دنیا کی تمام متمدن اور زبردست قومیں قوت الٰہی سے بغاوت کر چکی تھیں ایک نحیف و ضعیف قوم بحر احمر کے کنارے کے ریگستانوں پر غفلت و جہالت کے بستروں پر پڑی سو رہی تھی۔ لیکن اس ظلمت کدۂ عالم میں صرف ایک گوشہ تھا۔ جو روشن تھا۔ وہ گوشہ غار حرا کا گوشہ تھا۔ وہ عزلت نشین حرا کی جبین مبارک تھا۔ جو قوۃ الٰہی کے آگے سربسجود تھی۔ میری مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اقدس ہے۔

یہ رات بھی عجیب تھی کہ جس میں قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ جابرہ عالم کی تنبیہ و تادیب کے لیے ایک نحیف و ضعیف قوم کا انتخاب ہو رہا تھا۔ نیکیوں کا لشکر دوبارہ مقابلے کے لیے آراستہ کیا جا رہا تھا نور کی سرعسکری کے لیے وہ وجود اقدس منتخب ہو رہا تھا۔ جو حرا کے غیر موضوع حجرے میں بیدار اور سربسجود تھا۔ اور رحمت کے محافظ فرشتے اس کے گرد صف بستہ کھڑے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ ہم نے اس کتاب مبین کو ایک مبارک شب میں اتارا کہ ہمیں انسانوں کو ڈرانا ہے۔ پس یہ شب وہ تھی جس میں اقوام عالم کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا یہ وہ شب ہے جس میں برکات ربانی کی ہم پر سب سے پہلے بارش ہوئی، یہ وہ شب ہے جب اس سینے میں جو خزینۂ نبوت تھا۔ کلام الٰہی کے اسرار سب سے پہلے منکشف ہوئے۔ اور رحمت ہائے آسمانی نے زمین میں نزول کیا۔ پس ہر مومن کو ضروری ہے کہ اس شب میں رحمتوں کا طالب ہو۔ رحیم و رحمٰن کے آگے سرنیاز خم کیے۔ اور بعد خشوع و خضوع دست تضرع دراز کرے کہ خدایا! میں ایمان لایا فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور تقدیر پر اور پکار اٹھے! اے پروردگار تیری باتیں سنیں۔ تیری طاعت کا عہد کیا اب تیری مغفرت کے طالب ہیں۔ اور تو ہی ہمارا مرجع ہے۔ کسی کو تو اس کی قوت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔ اور خیر و شر انسان کی کمائی ہے پس اے پروردگار! اگر ہم سے بھول ہو یا کوئی خطا ہو، تو مواخذہ نہ کر۔ پروردگار ہماری طاقت سے زیادہ ہم پر بوجھ نہ ڈال ہمیں معاف کر۔ ہمارے گناہ بخش، ہم پر اے ہمارے آقا رحم فرما اور کفار پر ہمیں غلبہ نصیب فرما۔

> پر آہ: تمہاری غفلت کیسی شدید اور تمہاری گمراہی کیسی ماتم انگیز ہے کہ تم لیلۃ القدر کو تو ڈھونڈتے ہو پر اس کو نہیں ڈھونڈتے جو لیلۃ القدر میں آیا۔ اور جس کے ورود سے اس رات کی قدر و منزلت بڑھی اگر تم اسے پالو۔ تو تمہارے لیے ہر رات لیلۃ القدر ہے۔

مذہب کی پاک روح مردہ ہو چکی تھی۔ لیکن اس رات میں اعادہ معدوم اور حیات بعد الممات ہوا۔ وہ کتم عدم سے عالم شہود میں اترے۔ اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ فرشتے اور روح اس رات میں اترتے ہیں۔ مگر بتدریج پورے ایک مہینہ میں اترتے ہیں۔ کیوں کہ دنیا کا دامن دفعۃً ان برکات و فضائل کے سمیٹنے کی وسعت نہیں رکھتا روح کی حقیقت کیا ہے؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

"من كل امر سلام" یعنی وہ ملائکہ اور روح امن سلامتی ہو۔ جو دنیا کو یکسر انسیت و سلامتی کی برکتوں سے معمور کرتی ہے۔

پھر یہ سکون و اطمینان، اور فیض صرف عرب کے لیے مخصوص نہیں۔ بلکہ مشرق و مغرب دونوں کو محیط ہے۔

لیلۃ القدر کو صرف اس لیے فضیلت نہیں ہے کہ اس میں عبادت کا ثواب عام راتوں سے زیادہ ملتا ہے۔ بلکہ اس بنا پر بھی کہ اس میں ہم کو ایک کتاب دی گئی۔ اور ہم کو مشرق و مغرب میں اس کی منادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بادشاہوں کی منادی طبل و علم کے ساتھ کی جاتی ہے۔ لیکن خدا کی منادی تہلیل و تکبیر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ رمضان کے بعد عید کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ تہلیل و تکبیر کی مقدس صداؤں میں اسلام کے جاہ و جلال، نفوذ قوت، اور وسعت و فخر کا سماں دنیا کو نظر آجائے۔

پر آہ: تمہاری غفلت کیسی شدید اور تمہاری گمراہی کیسی ماتم انگیز ہے کہ تم لیلۃ القدر کو تو ڈھونڈتے ہو، پر اس کو نہیں ڈھونڈتے جو لیلۃ القدر میں آیا۔ اور جس کے ورود سے اس رات کی قدر و منزلت بڑھی اگر تم اسے پالو۔ تو تمہارے لیے ہر رات لیلۃ القدر ہے۔

ہر شب، شب قدر است   اگر قدر بدانی

اللہ کریم ہمیں اپنے بندوں میں شامل فرمائیں اور کامل اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

(بقیہ) روزہ کے مقاصد اور زندگی......

ان سب باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی مقتضی تھی کہ اپنے بندوں پر روزہ فرض کرے اس کے ذریعہ کھانوں کی زائد مقدار اور خواہشات کے فضلہ کا ازالہ و تنقیہ ہو سکے جس کی وجہ سے آدمی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے وہ اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ فائدہ اٹھا سکے اور اس کی عارضی اور مستقل کسی مصلحت کو نقصان نہ پہونچے۔[1]

[1] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۵۲

قرآنی مہینہ گذارنے کی بہترین صورت

مولانا عبدالقادر ندوی

رمضان المبارک اسلامی تقویم کا سب سے عظیم الشان مہینہ ہے۔ سال کے بارہ مہینوں میں کوئی مہینہ اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ کسی مہینہ کے بارے میں وہ فضائل قرآن مجید اور حدیث پاک میں آئے ہیں جو فضائل اس ماہِ مبارک کے بارے میں وارد ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۝ (بقرہ آیت ۱۸۵)

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزہ رکھے اس کے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ بقرہ

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

اور ارشاد نبوی ہے۔

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة وايتاء الزكوة وحج البيت وصوم رمضان متفق عليه. جمع الفوائد جلد ۱ صفحہ ۹

ترجمہ: اسلام کی بنا پانچ باتوں پر ہے اس بات کی گواہی دینا کہ خدائے عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

رمضان روزوں کا مہینہ ہے:۔

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ وہ مخصوص عمل جو اس ماہ کو دوسرے مہینوں سے ممتاز کرتا ہے وہ تو روزہ ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ صرف روزوں کا مہینہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ نیکیوں کے اہتمام کا مہینہ ہے اور بعض نیکیوں کا تو اس ماہ سے بہت ہی گہرا ربط اور مناسبت ہے جیسا کہ آئندہ سطروں سے واضح ہوگا۔

رمضان قرآن کا مہینہ ہے:۔

قرآن مجید اور اس کی تلاوت کو اس ماہ سے وہ تعلق ہے کہ اس مہینہ کی یاد کے ساتھ اس کی یاد لازم ہے کیونکہ اسی ماہ میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے بلکہ بعض کتابوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جملہ آسمانی کتب کا نزول اسی ماہ میں ہوا ہے۔

لہٰذا اس ماہ کو قرآن کا مہینہ سمجھنا چاہیے۔ اور زیادہ سے زیادہ تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیے خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اس ماہ میں تلاوت قرآن کا خصوصی اہتمام صحیح احادیث سے ثابت اور مشہور معروف ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے جسکو حبرالامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل فرماتے ہیں۔

كان يلقاه جبريل في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن

ترجمہ: رمضان شریف کی ہر رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے تھے اور قرآن کا دور فرماتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اس ماہ میں اہل ایمان حفاظ قرآن پر رشک کرتے ہیں کہ وہ اپنے حفظ قرآن کی برکت سے جس قدر نیکیاں کما سکتے ہیں غیر حافظ کو اسکی قدرت کہاں؟

قرآنی مہینہ منانے کی بہترین صورت

تلاوت قرآن کے فضائل معلوم کرکے تلاوت کا شوق پیدا ہونا ایک مومن کیلئے طبعی بات ہے لیکن عام طور پر ناخواندہ لوگ اپنے کو اس سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں۔ یہ بات ان سے کہی جارہی ہے، جو تلاوت کرنا جانتے ہیں چونکہ ہم کو تلاوت کرنا نہیں آتا اسلئے ہم اس کے مخاطب نہیں ہیں سمجھ لیجئے کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے جس نے پہلے تو آپ کو قرآن سیکھنے سے محروم رکھا اور اب وہ آپ کو ہمیشہ کیلئے اس محرومی پر مطمئن کر دینا چاہتا ہے تاکہ آپ کو کبھی تلاوت کا خیال بھی پیدا نہ ہو۔

نہ سیکھنا خود ایک بڑا گناہ ہے جس میں آپ کو اس نے اب تک مبتلا کر رکھا ہے لہٰذا اب اس ماہ مبارک کا تقاضا یہ ہے کہ آپ قرآن پڑھنا سیکھ لیں اور پڑھے ہوئے لوگ جتنا وقت تلاوت میں صرف کرتے ہیں آپ اتنا وقت تلاوت قرآن سیکھنے میں صرف کریں ہوسکتا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کے وقت آپ امی ہوں اور اس عمل کی برکت سے عید کا چاند نظر آنے سے پہلے ہی آپ پڑھتے ہوئے لوگوں کی فہرست میں داخل ہو جائیں ساٹھ ستر سال کے بوڑھے بھی ہمت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں یہ عینی مشاہدہ کی باتیں ہیں۔

اسی طرح پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنے کی ضرورت ہے اگر ہر قاری (قرآن کو صحیح پڑھنے کی قدرت رکھنے والا) اس مبارک مہینہ صرف ایک اُمی کو قرآن پڑھنا سکھا دے تو امت کا ایک بہت بڑا کام ہو جائے اور اس طرح قرآنی مہینہ منانے کی بہترین صورت ہے۔

رمضان سخاوت کا مہینہ ہے:۔

رمضان شریف جود وسخاوت کا مہینہ بھی ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں بھی سراپا جود وسخا تھے لیکن اس ماہ میں آپکا یہ وصف اور بھی زیادہ نمایاں ہوتا تھا، چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وصحبہ وسلم حين يلقاه جبريل أجود بالخير من الريح المرسلة «متفق علیہ»

ترجمہ: جس زمانہ میں (یعنی رمضان شریف میں) حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اسوقت آپکی سخاوت تیز ہوا سے بھی بڑھ کر ہوتی تھی۔

رمضان زکوٰۃ کا مہینہ:۔

عام طور پر لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ اسی ماہ میں ادا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا اسی ماہ میں فرض ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو شخص جس وقت بقدر نصاب مال کا مالک ہوا ہے آئندہ سال وہ وقت آنے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے پہلے واجب نہ ہوگی۔

لہٰذا اگر زید یکم محرم الحرام ۱۴۱۴ھ کو بقدر نصاب کا مالک ہوا اور اس پر قرض وغیرہ بھی نہیں ہے تو آئندہ سال یکم محرم الحرام ۱۴۱۵ھ آنے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے پہلے ۱۴۱۴ھ کے رمضان شریف میں اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ۱۴۱۵ھ محرم میں واجب ہونے کے بعد ادائیگی کیلئے ۱۴۱۵ھ کے رمضان المبارک کا انتظار کیا تو بلا ضرورت کی تاخیر ہے اور خدانخواستہ محرم کے بعد رمضان آنے سے قبل موت آگئی تو ایک اہم فریضہ کے ترک کرنیکا گنہگار ہوگا۔

نیز جو لوگ پہلے سے زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں ان کے لئے بھی سال گذرنے پر حساب کر کے دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا اسوقت زکوٰۃ کی جو مقدار واجب ہو رہی ہے اتنی ہی رقم پہلے ادا کی تھی یا نہیں، اگر اس سے کم ادا کی تھی تو اب اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہے مثلاً ۱۴۱۴ھ کے رمضان میں محرم ۱۴۱۵ھ کو واجب ہونیوالی زکوٰۃ بھی ادا کر دی اور چونکہ رمضان ۱۴۱۴ھ کے موقع پر اس کے پاس دس ہزار روپے اسلئے محرم ۱۴۱۵ھ کی زکوٰۃ بھی اس لحاظ سے ادا کر دی مگر محرم ۱۴۱۵ھ میں اس کے پاس پندرہ ۱۵۰۰۰ ہزار روپے ہوگئے تو اب پانچ ہزار روپے کی مزید زکوٰۃ ادا کرکے اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ اتنی مقدار کی زکوٰۃ اس کے ذمہ باقی رہے گی۔

رمضان نمازوں کے اہتمام کا مہینہ ہے:۔

رمضان شریف نماز کے اہتمام کا بھی مہینہ ہے چنانچہ تراویح کی نماز کا اضافہ اور اس میں ختم قرآن کا اہتمام کی واضح دلیل ہے لہٰذا اس ماہ کو نماز کے مہینہ کے لحاظ سے بھی منانا چاہیے اور پنج وقتہ نمازوں میں جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ کے حاصل کرنے کی سعی ہونی چاہیے اور حتی المقدور نوافل بالخصوص تہجد جو ان دنوں سحر کے لئے جاگنے کی وجہ سے آسان بھی ہے اس کی پابندی دارین کی سعادت کو حاصل کرنے میں مفید و مؤثر ہے۔

نماز سے متعلق ایک نہایت ضروری بات

نمازوں کے اہتمام میں وقتی فرائض کی پابندی حتی المقدور جماعت یا تکبیر اولیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش اور نوافل کی طرف خصوصی توجہ ایسی باتیں ہیں جنکی طرف علی العموم اس ماہ میں کسی نہ کسی درجہ میں توجہ پائی جاتی ہے لیکن ایک مہتم بالشان امر جسکی ضرورت ہمارے زمانہ میں ایک بڑے طبقہ کو ہے اس کی طرف ذہن کم ہی متوجہ ہوتا ہے حالانکہ اس کا درجہ فرضیت کا ہے یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضا جس طرح نماز کا اپنے وقت میں ادا کرنا فرض وضروری ہے اسی طرح وقت پر ادا نہ کرسکنے پر اس کی قضا بھی ضروری ہے اور نوافل عمر بھر کوئی نہ پڑھے تو آخرت میں سوال نہ ہوگا جبکہ فوت شدہ نمازوں کی قضا نہ کرنے پر جواب دہی ہوگی لہٰذا جن لوگوں کے ذمہ عمر کے کسی حصہ کی فوت شدہ نمازیں باقی ہوں انہیں چاہیے کہ اس ماہ میں ان کی قضا کے لئے کوئی وقت اہتمام کے ساتھ متعین کریں بلکہ مہینہ کے ختم پر قضا مکمل نہ ہو تو رمضان کے بعد بھی اس معمول کو اہتمام سے باقی رکھنا چاہیے۔

رمضان المبارک نفس کے خلاف مجاہدہ کا مہینہ ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ نفس کے خلاف مجاہدہ کا مہینہ ہے چنانچہ روزہ میں ان حلال چیزوں سے بھی وقتی طور پر منع کر دیا گیا جن کا استعمال عام حالات میں درست تھا کھانا حلال اور دن رات میں جسوقت آدمی چاہے کھا سکتا ہے۔ لیکن اس مہینہ میں روزہ فرض کرکے طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک روک دیا گیا۔ یہی حال پانی کا ہے کہ کتنی شدت کی گرمی ہو مگر بلا عذر شرعی آپ سورج کے غروب ہونے سے پہلے پانی نہیں پی سکتے اور یہ تو عوام کی بات ہے ورنہ اللہ کے خاص بندے تو نہ معلوم کن کن مناجات سے اپنے قلب ودماغ کو فارغ کرکے کلیۃً اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

روزہ کی وجہ سے رات میں جلد از جلد آرام کی خواہش ہوتی ہے مگر تراویح میں قرآن پڑھنے اور سننے کی غرض سے مومن بندہ اس خواہش کو ترک کرکے آرام کے بجائے اپنے رب کے سامنے باادب ہمہ تن متوجہ ہوکر کھڑا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ عام دنوں کے مقابلہ میں سونے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

ایسے ہی دیر سے سونے کے بعد آخر رات میں

نیند خوب میٹھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس ماہ میں خاص کر اللہ کے نیک بندے "تتجافی جنوبھم عن المضاجع" پر عمل کرتے ہوئے صبح صادق سے کافی دیر پہلے اٹھ جاتے ہیں اور اللہ کے حضور میں کبھی قیام کی صورت میں تو کبھی رکوع و سجود کر کے اللہ کے سامنے آہ و زاری کرتے ہیں اور امید و خوف کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

درس و عبرت کی ایک بات

عام دنوں میں اگر دن میں بھوک پیاس برداشت کرنا پڑتی ہے۔ رات میں سونے میں تاخیر ہو جاتی ہے تو تہجد پڑھنا مشکل ہوتا ہے پھر کیا چیز ہے جو ان دنوں میں اسکو آسان کر دیتی ہے؟ وہ ہے مومن بندہ، سچا ارادہ اور کوشش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت و مدد جسکو کہنا چاہیئے کہ توفیق۔ بس یہی سچا راہ اور کوشش زندگی کے جملہ شعبوں میں اختیار کئے جائیں تو جس طرح رمضان المبارک میں روزے تراویح اور تہجد آسان ہو جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی آسان ہو جائے۔

دوسری چیز جو ان سب اعمال کو آسان کر دیتی ہے وہ ہے عمومی ماحول کہ اس مبارک مہینہ میں نیکیوں کا ایک عمومی ماحول ہوتا ہے جس کی برکت سے ہر نیک کام دیگر ایام کے مقابلہ میں بہت آسان ہو جاتا ہے کیا اگر اسی طرح ہم دوسرے دنوں میں بھی محنت کر کے نیکیوں کا عمومی ماحول بنالیں تو اور دنوں میں بھی یہ بات پیدا نہ ہوگی؟ ہوگی اور ضرور ہوگی۔

بات یہ ہے کہ ماحول آدمی کی طبیعت پر بہت ہی زیادہ اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ نیک ماحول ہی کیلئے تو ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی اور ہجرت کا سب سے بڑا فائدہ یہی تو تھا کہ وہاں اسلام اور اسلامی اعمال پر رمضان میں نیک اعمال کی طرح سہولت سے عمل ہوتا تھا۔

رمضان جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کا مہینہ ہے

رمضان المبارک جہاد کا بھی مہینہ ہے چنانچہ غزوۂ بدر سے بڑھکر بابرکت و باعظمت غزوہ روئے زمین نے نہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد یہ غزوہ اسی ماہ میں ہوا۔ اور فتح مکہ جو دراصل اسلام کے لئے فتح عالم ہے وہ بھی اسی مہینہ کی برکات سے ہے لہٰذا اس ماہ کو اس نظر سے بھی دیکھنا چاہیئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جملہ مساعی اور جملہ اقسام کا اس ماہ میں خوب خوب اہتمام ہونا چاہیئے۔

اللہ کے وہ بندے کس قدر قابل رشک ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وطن عزیز کی راحتوں کو محض رضائے الٰہی کیلئے خیرباد کہکر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، سردی گرمی سہتے ہیں اور کتنے ان میں سے جان جان آفریں کے سپرد کر کے آخرت کی عزت و راحت کے اعلیٰ مقام کے وارث و حقدار بن جاتے ہیں۔

اللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

رمضان المبارک تبتل الی اللہ کا مہینہ ہے

اس ماہ مبارک کے عطایا میں سے رب العالمین کی چوکھٹ پر پڑ جانا اور محض اسی کا ہو رہنا بھی ہے کہ یہی اعتکاف کی حقیقت ہے اور اس وقتی مشق و تمرین سے اور اس پر مداومت کی سعی و کوشش سے خلوت در انجمن کے حصول کی امید ہے جو مومن کامل کی شان ہے۔

اعتکاف سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت

اعتکاف کی حقیقت یقیناً اس بارگاہ عالی کی چوکھٹ پر اسکو راضی کرنے کیلئے پڑ جانا ہی ہے اسی وجہ سے اس میں کوئی فرض اور واجب درجہ کا عمل بھی نہیں ہے لیکن فراغ و یکسوئی کا استعمال انسان اپنی طبیعت و مزاج کے اعتبار سے کرتا ہے آجکل چونکہ عام طور پر ایمانی لحاظ سے طبیعتوں میں صلاح کی جگہ فساد نے اور علم کی جگہ جہل نے لے لی ہے اس لئے بعض معتکفین تو اپنے فراغ کو غیبت گلہ شکوہ یا اللہ کے گھر میں بے ضرورت دنیوی تذکرے کر کے ثواب کے بجائے گناہ کماتے ہیں اس لئے اس سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے۔

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کی بہترین دوا
لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U18/77 اور کیپ سول پر (LT) مارکہ ضرور دیکھیں انڈین کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مئو کا بنا اصلی نورانی تیل مئو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔
INDIAN CHEMICAL MAU. N.B. 275101

حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم مجددی قدس سرہ

مولانا عبد اللہ عباس ندوی مدظلہ

سلسلۂ مجددیہ کے ایک باکمال اور صاحب حال، خوش مآل و خوش مقال بزرگ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کی نذر پوری کر دی۔ گذشتہ ماہ رجب (۱۴۱۴ھ) کے آخری عشرہ میں آپ کی روح کو اذن مل گیا مراجعت کا پروانہ مل گیا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ کا۔

چہ مبارک سحرے بود چہ فرخندہ شبے
زاں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند

حضرت کے نفس گرم سے ہزاروں کے دل میں اجالا تھا اور خلق خدا کی ایک بڑی تعداد کے قلوب میں محبت کی روشنی اور گرمی تھی، علم و عرفان کے اس گوہر شب تاب سے ایک پورا علاقہ جگمگا رہا تھا سلسلۂ مجددیہ کا فیض دور دور تک جاری تھا۔

آپ کے روشن کیے ہوئے چراغوں میں ایک مثالی مدرسہ "جامعۂ ہدایت" بھی ہے جس کو قریب سے دیکھنے اور اس کے پاکیزہ اور روحانی ماحول میں تین شب و روز گذارنے کی سعادت اس راقم آثم کو بھی حاصل ہوئی ہے۔ اسی موقع پر پہلی اور افسوس کہ آخری بار حضرت کو قریب سے دیکھا، فکری نیاز مندی تو طویل رہی لیکن فرصت نیاز کی مدت مختصر رہی، لیکن اہل اللہ کے حضور جو لمحہ بھی میسر آجائے وہ غنیمت ہے۔

حضرت ممدوح علیہ الرحمہ اور مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہٗ کے درمیان قلبی و روحانی موانست و یگانگت کا تعلق تھا، ایک دوسرے کی بزرگ داشت ملحوظ رکھتے، میری حاضری رابطہ ادب اسلامی کے ایک اجلاس میں شرکت کے لیے ہوئی تھی، اس موقع پر طلبۂ جامعہ نے مہمانوں کو عصرانہ دیا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر خطاب فرمایا، جس میں بتایا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ سے ان کا تعلق آج کا نہیں بلکہ قدیم خاندانی تعلق ہے۔ آخر میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی میزبانی اور استقبالیہ کی صدارت آپ نے اسی تعلق کی بنا پر قبول فرمایا تھا۔ اس کانفرنس میں یہ راقم مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھا اور دعوت نامے بورڈ کے سکریٹریٹ سے بھی ملے تھے اور مجلس استقبالیہ کے دفتر سے بھی جو حضرت ہی کے دستخطوں سے جاری ہوئے تھے آج اس کانفرنس میں عدم شرکت کا افسوس ہو رہا ہے کہ اگر اس موقع پر بھی حاضر ہو جاتا تو آفتاب و ماہتاب کا قران ایک بار پھر دیکھ لیتا۔

جامعۂ ہدایت حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رح کی دینی حوصلہ مندی کا ایک ادنیٰ نشان ہے جس حسن اور وسعت کے ساتھ اس کی تعمیر ہوئی ہے وہ معیاری اور مثالی ہے، افسوس کہ حکومت کی بدنگاہی اور مسلمانوں سے عناد کے جذبے نے اس کی تکمیل نہیں ہونے دی، اور اس کے نامکمل حصے تاریخ میں یادگار رہیں گے کہ ان تنگ دل اور کوتاہ بیں حکام نے حدود بلدیہ سے باہر بھی ایک مدرسہ مکمل طور پر تعمیر نہیں ہونے دیا۔ لیکن جتنا حصہ بن چکا ہے وہ شاہانہ عزم اور فقیرانہ توکل دونوں کی تصویر ہے۔ وہ مدرسہ سے زیادہ ایک یونیورسٹی کا ڈھانچہ ہے۔ جہاں دینی و صنعتی دونوں طرح کی تعلیم کا خاکہ بن چکا ہے۔ مسلمانوں کی نئی نسل کو علم دین سے اچھی طرح آگاہ کیا جائے اور ایسا ہنر بھی اسکو دیا جائے جس کے ذریعہ عزت کے ساتھ، دینی خودداری قائم رکھتے ہوئے اپنی روٹی پیدا کر سکے اور پورے ملک کی خوشحالی کا ذریعہ بنے۔ اس مدرسہ کی عمارتوں کو جس حوصلہ مندی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے وہ مسلمانوں کے لیے قابل فخر ہے مجھ سے مکہ مکرمہ میں عالم جلیل شیخ محمد ناصر العبودی ڈپٹی سکریٹری جنرل رابطۂ عالم اسلامی نے کہا کہ جامعہ ہدایت کو میں نے جاکر دیکھا اور دل سے متاثر ہوا، پر و گمنڈے اور چندہ طلبی کی روح سے پاک ہے۔ اس کا ایک گیٹ جیم سے تیار ہو کر آیا ہے (ٹھیک یاد نہیں جیم کہا یا کسی مشرقی یورپ کے ملک کا نام لیا)۔ شیخ عبودی کا بیان قابل ذکر و اہمیت اس لیے بھی ہے کہ انھوں نے پوری دنیا کی سیاحت کی ہے اور ہند و پاک ہی نہیں بلکہ مشرقی و مغربی ایشیا، افریقہ، یورپ، آسٹریلیا کوئی خطۂ زمین چھوڑ نہیں تھا جہاں جاکر وہاں کے اسلامی مراکز کو نہ دیکھا ہو، ان کے سفرنامے تقریباً پچاس کتابوں میں آئے ہیں اس لیے ایسے دیدہ ور اور صاحب نظر کا استحسان قابل ذکر تھا۔

اس راقم نے حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم قدس سرہ کی دینی حوصلہ مندی کا ایک مظہر یہ دیکھا کہ طلبہ کو بہت ہی جامہ زیب اور جاذب نظر لباس دیا جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کی شیروانی لکھنؤ سے تیار ہو کر آتی ہے جس کے کالر پر خوبصورتی کے ساتھ جامعہ کا مونوگرام بنا ہوتا ہے۔ طلبہ سب کے سب ایک یونیفارم میں بڑے اچھے لگتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان کے اندر جذبۂ طاعت اور مہمان نوازی بھی ہے اور اپنے ادارہ سے محبت و تعلق بھی۔ مدرسہ کیا ہے ایک صاحب دل کا لگایا ہوا باغ ہے

تعلیم کا زمانہ تو اس ناچیز نے نہیں دیکھا لیکن درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اساتذہ و طلبہ کے انہماک کو دیکھ کر یہ اندازہ تو ہو گیا کہ تعلیم کی طرف سب منہمک ہیں۔

اس عاجز پر حضرت علیہ الرحمہ کی ایک خاص نوازش ہوئی جس کا ذکر بطور شکر کرتا ہوں کہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔ جے پور پہونچ کر خواہش ہوئی کہ یہاں سے قریب ہی اجمیر ہے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سلطان ہند کی درگاہ دیکھ آؤں، اس کا ذکر میں نے مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی سے کیا جو اب دار العلوم ندوۃ العلماء میں حدیث و دینیات کے لائق استاذ ہیں، اس وقت جامعہ ہدایت کی خدمت میں تھے، وہ چونکہ عرصے مقیم تھے اس لیے ان سے فرمائش کی کہ ایک ٹیکسی کرا دیں، اجرت دے دوں گا، مولانا خالد ندوی سلمہ اللہ نے اس کا ذکر حضرت مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے کر دیا اور حضرت کے اشارے سے ایک ٹیکسی مل گئی لیکن میری ہزار کوشش کے باوجود حضرت نے ٹیکسی کا کرایہ ہم لوگوں کو نہیں دینے دیا، بلکہ خود اپنی جیب سے مرحمت فرمایا کہ غریب مہمان شرم سے کٹ گیا۔

بہرحال جامعہ ہدایت تو جیسا کہ عرض کیا آپ کے لگائے ہوئے باغات میں سے ایک باغ ہے اس کے علاوہ کتنی مسجدیں مکتب اور مدرسے آپ کے دم سے چلتے رہے اور چل رہے ہیں۔

آپ کی اصلاحی خدمات و دینی سرپرستی کا اثر اس پورے علاقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ امید ہے کہ آپ کے خلف و جانشین مولانا شاہ فضل رحیم ندوی اپنے آبائے کرام کی اس مسند کو پوری طرح پر کریں گے، جہاں تک ان کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم مجددی کا تعلق ہے وہ تو اپنی دوکان بڑھا گئے۔ ان کی خدمات کو دیکھ کر مومن خاں کا یہ شعر یاد آتا ہے

ان رے گرمیٔ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کر اٹھے

(بقیہ) مغربی تہذیب کے زہریلے اثرات

تعجب تو یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے بہت سے افراد مغربی تہذیب کا دروازہ مسلم نئی نسل کے سامنے بلا کسی قید و بند کے بالکل کھلا چھوڑ دینے کے حامی ہیں۔ وہ اس پر کسی طرح کا قدغن لگانے یا اسے چھان پھٹک کرنے کے روادار ہیں اور نہ ہی اس پر کسی طرح کی تنقید پسند کرتے ہیں تاکہ اس فضا اور اس ماحول سے ایسے افراد پیدا ہوں جو خود ہی اسلام اور اس کی اعلیٰ تعلیمات پر افترا پردازیوں، اور الزامات کی بہتات کر دیں اس طرح ان کی مثال اس طرح ہو گی جیسا کہ ایک عربی شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے "معظم النار من مستصغر الشرر" شعلہ جوالہ چنگاریوں سے بنتا ہے۔

اس طرح نفاق اور چاپلوسی کا مسئلہ اسلامی شریعت اور اس کی تعلیمات کی گرفت سے آزاد ہوتا نظر آ رہا ہے، اور بظاہر اس کا شریعت سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ لیکن اس کے اثرات اور نتائج کا اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ اس کا اصل سرچشمہ وہ تغافل اور تساہل ہے جو اسلامی معاشرہ میں مغربی تہذیب کی درآمد کے بارے میں برتا جاتا ہے مذکورہ اسباب سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلامی تربیت اور اسلامی فکر و ذہن سازی کی کتنی اہمیت ہے۔ ایک ایسی اسلامی تربیت جو اچھے، برے، اور صالح و فاسد کے درمیان امتیاز کر سکے۔ اور اسلامی حدود و قوانین اور مغربی افکار و نظریات کے درمیان خط فاصل کھینچ سکے اور مغرب کی ان فکری و ثقافتی اور اجتماعی درآمدات کی نشاندہی کر سکے جو ہمارے اسلامی تشخص سے متصادم ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں اس وقت نفاق اور اندھے تقلید کے جراثیم پیدا ہو گئے ہیں ایسے پرفتن اور پرآشوب دور میں اسلامی مفکرین اور قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ مختلف مجلسوں اور محفلوں، اپنے لکچرز اور تقریروں میں اس کی مذمت کریں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھی اس تہذیبی طاغوت کے اسباب کو دریافت کریں اور معاشرۂ اسلامی کے سامنے مغربی طرز معیشت کا نعم البدل پیش کریں یہی آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور ہر اس عالم دین کی آرزو ہے جس کے دل میں اسلام کی سچی محبت اور سوز ہے، ہمارے شیخ مولانا ابو الحسن علی ندوی کا بھی شمار انھیں دردمند افراد میں ہوتا ہے۔

(بقیہ) الوداعی جلسہ

یقین نہ تھا کہ اتنی جلد یہ چیزیں ماضی کی یادیں بن جائیں گی جن کا غم دل کو دکھایا کرے گا۔

ولیست عشیات الحمی برواجع
علیک ولکن خلِّ عینیک تدمعا

اے مادر علمی! اب ہمارا کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے ہم سب تیرے احسانات سے گرانبار ہیں، تیری خاک ہمیں سو جان سے زیادہ عزیز اور تیرا غبار پھول سے زیادہ محبوب ہے ہمارا جسم تجھ سے جدا ہو رہا ہے لیکن ہمارا دل تیری یادوں سے معمور رہے گا:-

ہم جاتے ہیں اے ندوہ برباد رہے اتنا
یاد آئے گی جب تیری تو خون رلائے گی

رحمتیں اس مکان کے در و دیوار پر، رحمتیں اس چمن کے صحن و سبزہ زار پر، رحمت ان پر جنہوں نے رحمت و سلامتی کی یہ سبیل لگا دی، رحمت اس کے پینے والوں پر، رحمت اس کے پلانے والوں پر۔

بار الہا! دم توڑیں تو تیری توحید کی شہادت دیتے ہوئے جی کر اٹھیں تو تیرے نام کا کلمہ پڑھتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں قرآن کا بتایا دین اور لب و زبان پر تیرے رسول کا لایا ہوا آئین اور آخری سانس کے ساتھ تیرا کلمہ ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

یہودیت سے اسلام تک

نو مسلم خاتون خدیجہ عبد اللہ کے روحانی سفر کی ایمان افروز کہانی خود موصوفہ کی زبانی

ترجمہ: محترم محسن فارقی

اسلام میں خوش آمدید الحمد للہ، بہن خوش آمدید! یہ کہتے ہوئے میری نئی بہنیں مجھے گلے سے لگاتی اور چومتی ہیں۔ ایک معمر اور محترم افغان خاتون تو میرے ایک رخسار کے تین بوسے لیتی ہے اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں منہ میں دانت نہیں مگر مسکراہٹ میرے لئے سحر انگیز ہے۔ زبان کی دیوار نے ہمیں الفاظ کے تبادلے سے روک دیا لیکن اظہار محبت کے لئے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس طرح میرے اس روحانی سفر کے آخری مرحلے کا آغاز ہوا جو مجھے یہودیت سے "یہود برائے مسیح" —— (JEW FOR JESUS) کے مختصر دور میں لایا۔ اس کے بعد ایک بار پھر میں نے یہودیت آزمائی۔ پھر طویل خشک عرصہ ایسا گذرا جس کے دوران میں کسی مذہب پر عمل پیرا تھی نہ مذہب کے اندر سچائی ڈھونڈنے میں سرگرم۔ میری زندگی کا یہ خلا اس وقت ختم ہوا جب میں نے "بدھ مت" کے تین جواہر میں پناہ لی۔ یہ مرحلہ پانچ برس پر محیط رہا کم و بیش دو سال پہلے میری ملاقات ایک غیر معمولی انسان سے ہوئی جس نے اسلام کو مجھ سے متعارف کرایا۔ لیکن پہلے میں آپ کو تھوڑا سا ماضی میں لے جانا چاہوں گی۔

میں نے مراکش میں یہودی والدین کے ہاں پرورش پائی۔ میرے دادا، دادی اور میرے والدین گھر میں یہودی روایات پر سختی سے عمل پیرا نہیں تھے۔ ہم سال میں تین بڑی چھٹیاں منانے میں ہر ہفتے اپنے دادا کے ہاں "سبت" منانے جاتی۔ لیکن وہاں سبت کے قوانین کی زیادہ پابندی نہ ہوتی۔ میرے والد اور چچا تو ظہرانے کے فوراً بعد ہی سگریٹ سلگا لیتے صومعہ (SYNAGOGUE) میں مقدس دنوں کے دوران میں اپنے والد اور دادا کے درمیان بیٹھنا پسند کرتی اور سفید اور نیلی دعائیہ چادروں میں لپٹے لوگوں کو غنائیہ دعا کے ساتھ ساتھ جھومتے دیکھتی۔ سب سے زیادہ مجھے شوفار (مینڈھے کا سینگ) نامی گیت سننا پسند تھا۔ اس کی اور ہی دنیا کی آواز میرے رونگٹے کھڑے کر دیتی تاہم گھر میں مذہب ایک بڑے کھانے کے خاندانی اجتماع سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

مصر سے یہودیوں کی خلاصی ہونے کی خوشی میں برپا ہونے والی ضیافت پاس اوور کے موقع پر میرے دادا خروج (EXODUS) کی کہانی پوری پڑھ کر سناتے ...... کس طرح آل فرعون (قبطی) بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے؟ کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مصریوں کی غلامی سے چھڑا کر لائے اور کس طرح فرعون منفتاح اور اس کا لشکر تعاقب کرتے ہوئے بحیرۂ قلزم میں غرق ہو گیا۔ لیکن اس وقت میں اتنی چھوٹی تھی کہ اس کہانی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میں اس تقریب میں بس کھانا پسند کرتی تھی۔ بعد میں جب میرے دادا کا انتقال ہوا تو ان کا فریضہ بڑا بیٹا ہونے کی حیثیت سے میرے والد نے سنبھال لیا۔ مگر وہ کبھی پوری کہانی نہیں پڑھتے تھے ہم سب یوم کپور (کفارے کا دن) کو روزہ رکھتے اور میں سمجھتی تھی کہ روزہ رکھنے کا تصور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے، میں ہمیشہ یہ کہہ کر مزاح پیدا کرتی کہ ایک دن تو میرے اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے بھی کافی نہیں۔ یہودیت ایک مذہب تھا جسے میں اپنا کہہ سکتی تھی لیکن یہ رسوماتی کھوکھلا اور روحانیت سے خالی تھا۔ اس میں روزمرہ کی عبادت تھی نہ اجتماعی۔ اللہ کا ذکر تک نہ آتا تھا۔ لیکن میرے اندر ان ابتدائی برسوں ہی میں ایک نو زائیدہ روحانیت فروزاں تھی۔ اتوار کو گرجے کی گھنٹیاں جیسے ہی سنائی دیتیں میرے قدم بڑے سے سفید کلیسا کی طرف اٹھ جاتے۔ میں شوق سے اندر چلی جاتی اور دیکھتی کہ کیتھولک مسیحی کیا کرتے ہیں۔ میں اپنے ہاتھ "مقدس پانی" میں ڈبوتی اور اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتی اور رکوع میں چلی جاتی۔ مؤذن کی سحر انگیز آواز آتی تو میں بالکنی میں جا کر لوگوں کو نماز کے لئے صفیں درست کرتے دیکھتی۔ جب کبھی میں بعض عیسائی راہبات (NUNs) کو لمبے سیاہ چغے پہنے دیکھتی تو میں بھی انہی کی طرح عبادت کرنے کی متمنی ہوتی۔ اس پس منظر میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے اللہ اور سچائی کی تلاش میں اپنی زندگی بسر کی ہے

میری حالت اس اجنبی کی سی تھی جو کسی انجانے شہر میں آ پہنچا ہو، اور کبھی ایک چوک میں رکتا ہو اور کبھی دوسرے میں۔ میں بھی کبھی منزل کے قریب آ پہنچتی تھی اور کبھی دور ہو جاتی تھی۔ مگر اس عزم سے سرشار تھی کہ آخر کار میں راستہ پالوں گی۔

"جسے اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے" (الانعام ۶-۲۵)

۱۹۶۶ء میں ہم امریکہ واپس آئے۔ میری عمر انیس برس تھی۔ مجھے یہاں ایک بڑے ثقافتی صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں امریکہ میں پہلی بار ایک معبد یہودی کی تدفین یا صومعہ میں داخل ہوئی تو مجھے غم ساری نے آلیا۔ میں دعاخواں اور ربی کے نامانوس لہجے پر اپنی ہنسی روک نہ سکی۔ عبرانی بولنے کا یہ انداز کس قدر مضحکہ خیز تھا اور پھر میری تمام عمزاد لڑکیوں کے بالغ ہونے کی تقریبات: "بیت مستوار" منائی جانے لگیں۔ مراکش میں یہ نام کبھی نہیں سنا تھا۔ لہٰذا مجھے اور میرے ابا کو اس کے تصور ہی پر ہنسی آئی۔ میں ابھی تک "بیت مستوار" کی خواہاں نہ تھی تاہم انھیں اس تقریب کی تیاری کیلئے عبرانی اور توراۃ کے سبق لیتے دیکھتی تو مجھے ان پر ترس آتا۔

۱۹۶۸ء کی تعطیلات گرما میں ایک ماہ کے لئے میں اسرائیل پہنچی تو مجھے وہاں کی ہر شے سے محبت ہو گئی۔ اسرائیل مراکش ہی کی طرح تھا۔ لہٰذا میں نے واپس آکر وہاں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ والد نے کہا "ہرگز نہیں" میں نے تہیہ کیا خواہ کچھ بھی ہو، میں پھر آؤں گی، چنانچہ ۱۹۷۰ء میں لوٹ کر اسرائیل آئی۔ میں یہاں عبرانی سیکھنے اور ایک کبوتس (KIBBUTZ) (یہودی اجتماعی فارم) پر کام کرنے لگی میں نے اس امید پر ایک مذہبی کبوتس کا انتخاب کیا کہ اپنے مذہب کی تعلیمات جان سکوں لیکن تین برس بعد عالم یاس میں اسے چھوڑنا پڑا۔ میں نے عبرانی سیکھی اور اوامر و نواہی کھانے پینے کے ضابطوں اور مقدس دنوں کے بارے میں بہت کچھ جانا۔ لیکن یہودیت کے متعلق کچھ نہ سیکھ پائی۔

میں سمجھنا چاہتی تھی کہ آخر ہم یہودی "احبا اللہ" (اللہ کے پیارے) کس طرح ہیں۔ اور اس "منتخب قوم" سے دنیا میں نفرت کیوں کی جاتی رہی ہے اور اسے ابتلا سے کیوں گزرنا پڑا؟!

کبوتس سے رخصت ہو کر میں فلسطین کے طول وعرض میں گھومتی پھری۔ جزیرہ نما سینا کے جنوبی سرے تک گئی۔ الطور میں ٹھہری جو بھوتوں کا مسکن لگتا تھا جسے اس کے باشندے (اسرائیلی قبضے کی وجہ سے) چھوڑ کر جا چکے تھے اور سینا کے مغربی ساحل پر شمال کی جانب ابورویس کا سفر کیا۔ یہ تمام سفر میں نے فوجی جیپوں، بسوں اور ٹرکوں وغیرہ پر کیا۔ عرب لڑکے مجھے حیرت سے دیکھتے کہ یہ تنہا لڑکی اس ریگستان میں کیا کر رہی ہے۔ ایک مرحلے پر میں نے گھر واپسی کا ارادہ کیا مگر میرے والد نے رقم نہ بھیجی اور میں نہ جا سکی۔ میں ان کی خواہش کے برعکس اسرائیل آئی تھی اس لئے اب وہ مزید میری کفالت کرنے کو تیار نہ تھے انھوں نے جواب ارسال کیا: "تیر کر گھر آجاؤ" مجھے بڑا صدمہ ہوا۔

اور اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں، جب کچھ یسوع کے دیوانوں سے میرا واسطہ پڑا۔ وہ اپنے آپ کو "یہود برائے یسوع" کہہ رہے تھے۔ میں کچھ جاننے کیلئے ان کے ساتھ گئی، وہ عہد نامہ عتیق کی بعض آیات سے مجھ پر ثابت کرنا چاہتے تھے (حالانکہ مجھے قائل کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی) کہ عیسیٰ یسوع کی آمد اور جیسے ان کا استقبال اور ان سے برتاؤ ہوا، یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتب میں بیان ہوا ہے۔

آخر کار میں گھر لوٹ آئی اور اپنے والدین سے "یہود برائے یسوع" کا تذکرہ چھیڑا تو انھیں قدرتی طور پر اسے قبول کرنے میں دقت ہوئی۔ انھوں نے مجھ سے التجا کی کہ میں یہودیت کو ایک موقع اور دوں۔ یہاں سے میری زندگی کے ایک خشک دور کا آغاز ہوا جو بارہ سال تک طول کھینچ گیا۔ مجھے اپنا ذہن صاف کرنے کے لئے مہلت درکار تھی۔ مجھے فخر ہے کہ اپنی بعض کم نصیب سہیلیوں کے برعکس میں کوریائی "سن مائینگ مون" کے پیروکاروں MOONIES اور ہرے کرشنا جیسے فرقوں کے پیچھے کبھی نہ گئی۔

۱۹۸۶ء میں ایک مشنری نے میری بیٹی کو ایک پمفلیٹ تھما دیا جس میں "شوشو بدھ مت" کے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ میں بدھ مت کے متعلق بہت کم جانتی تھی۔ مگر اتنا ضرور پتہ تھا کہ وہ لوگ بیرون ملک مبلغ نہیں بھیجتے۔ میں ان کے دام میں نہ آئی تاہم ایک بدھ مرکز ڈھونڈ لیا اور اس مذہب کا سراغ پانے میں کھو گئی پانچ سال تک میں بدھ مت پر عمل کرنے میں کوشاں رہی اسمیں غور و فکر کیا اور فرقہ ..... "جاپان" کی پیروکار بنی جس کے معنی ہیں ..... "عظیم گاڑی"۔ اس دوران میں تبتی یا ..... "وجرایان" فرقے سے متعارف ہوئی جس کا لغوی مفہوم ہے "ہیرا گاڑی" جو تمام رکاوٹیں پار کرتی چلی جاتی ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت جیسے وحدانیت کے علمبردار مذہب سے بیزار ہونے کے بعد خدائے مطلق کی تلاش میں، میں بدھ مت کی طرف مائل ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ تو مذہب سے زیادہ ایک فلسفہ حیات ہے۔ اس میں گناہ (اور جرم) کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ہر بات سبب اور نتیجہ ہے۔ عمل اور رد عمل ہے انسان اپنے اعمال کیلئے بڑی حد تک ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔ وہ خود اپنا جج اور منصف ہے۔ مجھے بتوں کے آگے جھکنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ دیوتاؤں کے نمائندے ہونے کے بجائے مہاتما بدھ کی فطرت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں لیکن جب میں فرقہ "وجرایان" کے اندر گہرائی میں گئی تو مجھے درجنوں دیوی دیوتاؤں، پیچ در پیچ مذہبی رسوم، مشکل وظائف الاپنے کے لئے طویل منتروں اور تبتی زبان سے واسطہ پڑا۔ بتدریج میں ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کئی سابق یہودی اور سابق عیسائی (جن میں کئی راہب اور راہبات ہوتے ہیں) بدھ مت کے مطالعے اور عمل کے دوران کہیں بعد میں پہنچتے ہیں۔ میں اپنے دل میں

سمجھتی تھی کہ اگر مہاتما بدھ ایک بار پھر دنیا میں آجائے تو وہ یہ دیکھ کر شدید صدمے سے دوچار ہوگا کہ اس کی تعلیمات کا کیا حشر ہوا ہے اور کس طرح کروڑوں بدھ مت کے پیروکار اسے خدا جان کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ پیپل کے نیچے بیٹھ کر جوگیان دھیان کرتا رہا تو کیا اس کا مقصد یہ تھا جس پر آج اس کے پیروکار عمل پیرا ہیں؟ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھکر خوش ہوں گے کہ ان کے پیروکار کیا سے کیا ہو گئے ہیں؟ میں جو مسلمان ہوئی تو صرف اس لئے کہ میں اسلام (تمام ادوار اور تمام زبانوں کے لئے ایک عقیدہ اور ایک ضابطہ حیات) اور مسلمانوں میں فرق کر سکتی تھی۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا، میری ملاقات ملائشیا کے ایک طالب علم سے ہوئی جو تین اور طالب علموں کے ساتھ میرے مکان سے متصل آ ٹھہرا تھا ان میں سے ایک کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ایک سپر مارکیٹ میں بھی ملا تھا جہاں وہ جز وقتی کام کرتا تھا۔ جب وہ ہماری ہمسائیگی میں آ گیا تو وہ علیک سلیک کرنے آیا اس کے بعد میں دوسروں سے ملی اور ہم نے ایک دوسرے کو عشائیے پر بلایا۔ وہ میرے گھر میں بدھ مجسمے اور بت دیکھکر بڑے بدمزہ ہوئے۔ لیکن ان میں سے ایک اس فکر میں پڑ گیا یہ عورت، ایک یہودن، بدھ مت کی حلقہ بگوش کیسے ہو گئی۔ ہم کئی گھنٹے گفتگو کرتے رہے اور بہت جلد مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں اسلام کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ ہم نے سلمان رشدی اور اسلام میں عورتوں پر مبینہ جبر جیسے موضوعات پر باتیں کیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ بعض اسلامی ممالک میں اگرچہ خواتین واقعی کس قدر جبر کا شکار ہیں مگر دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی کوئی بات نہیں (اس نے اسلام کو مجھ پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کی بلکہ بتدریج اور آہستہ آہستہ اسلام کی خوبیاں آشکار کردیں۔ گفتگو میں اسلامی پردے "حجاب" کا بھی ذکر آیا۔ میرا تصور یہ تھا کہ مسلمان مردوں کو عورت کی کشش بے قابو اور دیوانہ بنا دیتی ہے اس لئے مسلمان عورت کو ان سے محفوظ رہنے کے لئے پردے میں لپٹی رہنا چاہیے۔ اس مرد شریف نے قرآن سے حقائق کھول کر بیان کئے اور اس سلسلے میں اپنے خاندان کی مثالیں دیں۔ میں سمجھتی تھی کہ مسلمان عورت کو اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا حق حاصل نہیں ہے۔ بجواب معلوم ہوا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس نے بڑے لطیف انداز میں بتایا کہ اس کے لئے یہ کس قدر مسحور کن بات ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کو گھر سے باہر غیر مردوں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے مناسب لباس پہنے دیکھے۔ اور گھر کے اندر ٹخنوں کی خوبصورتی اس کے گول بازوؤں کی ملائمت اور نگاہوں سے اوجھل اس کی حسین گردن کے تصور اور ان کی تمنا میں کھویا رہے میں حیرت سے اسے دیکھا کرتی۔ مغرب میں خواتین کے یہ اعضا، دیکھنے کی چیز خیال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں میں نے مغربی لباس اور مغربی طور اطوار پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی تو احساس ہوا کہ اپنی تر ذاتی آزادی سے لطف اندوز ہونے کے باوجود ہم خوش نہیں ہیں، ہم سب اداس اور زخمی روحیں ہیں جنہیں ذرائع ابلاغ نے بے وقوف بنا کر حضرت ڈالر کی قوت خرید کی پوجا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے، ہزاروں ڈالر نسوانی جسم کو "خوبصورت" بنانے پر صرف کئے جاتے ہیں خواہ اس میں ان کا شرف انسانیت ہی کیوں نہ چھن جائے اور جو عورتیں "ٹیپ ٹاپ" کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھتیں۔ کیونکہ وہ بہت موٹی یا بہت پتلی ہوتی ہیں وہ زندگی کے عذاب سے دوچار ہو کر مریض بن جاتی ہیں۔

میرا یہ مونس و غمخوار بھی حقیقی اسلام کی عملی شکل کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ اسے شدید احساس تھا کہ کس طرح برسر اقتدار لوگوں نے بہت کچھ اپنے مفادات کے مطابق ڈھال لیا ہے لیکن اس کا پس منظر مجھ سے مختلف تھا۔ اس کے خاندان والے اکٹھے نماز ادا کرتے تھے وہ شام کو مل بیٹھتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے، مذہب ان کی زندگی کا محور تھا۔ میں اس پر بہت رشک کرتی۔ میں نے اسلام کے بارے میں گمراہ کن تصورات کا بھاری بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ جسے اس نے ایک ایک کر کے میرے سر سے اتار دیا۔ یہ کام اس نے مثالوں سے، اپنے سلوک سے اور قرآن کے صفحات سے رہنمائی کرتے ہوئے کیا۔ وہ نماز پڑھتا۔ میں اسے دیکھتی رہتی، بعض اوقات وہ مجھے دیکھتا جبکہ میں گیان دھیان میں لگی ہوتی۔ کبھی کبھی ہم دیہاتی علاقے میں، کسی پہاڑی پر یا دریا کے کنارے جا نکلتے اور وہاں اپنی اپنی عبادت بجالاتے۔

میں مزید ایک برس تک بدھ مت کی حلقہ بگوش رہی اس دوران مطالعہ اور صرف مطالعہ میرا اوڑھنا بچھونا تھا۔ میں نے اسلام دنیائے عرب اور شرق اوسط کی سیاست پر بے شمار کتابیں اور جرائد چاٹ ڈالے۔ اب میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے شروع کئے۔ انھیں اس پر حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ تاہم کسی نے مجھ سے کبھی نہ پوچھا کہ میں کب اسلام قبول کر رہی ہوں۔ وہ مجھے اپنی برادری کی رکن جان کر یہ احساس دلاتے کہ انھیں مجھ سے انس اور ہمدردی ہے۔ خواہ میں یہودی ہوں یا عیسائی۔

آخر کار فیصلہ کن موڑ آ گیا جب مجھے ایک ملائیشی بھائی نے ایک کتاب پڑھنے کو دی۔ اس نے گریجویشن کی تھی اور اب گھر لوٹ رہا تھا۔ یہ کتاب تھی "مورس بوکائی کی "دی بائبل، دی قرآن اینڈ سائنس"۔ یہ میرے لئے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فیصلہ کرنے میں آخری محرک ثابت ہوئی اس کتاب نے تمام باقی سوالوں کا جواب دیا جو اسلامی عقیدے اور سائنس، ٹیکنالوجی اور ماحول کے حوالے سے اسلام کے متعلق میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔

ایک مسلمان بھائی نے مجھے قرآن کا تحفہ دیا تھا۔ اب مورس بوکائی کی کتاب سے میرے اندر قرآن پڑھنے کا ذوق و شوق امنڈ آیا (باقی ص ۸ پر)

مغربی تہذیب کے زہریلے اثرات

محمد الاسعد   ترجمہ   محمد احمد

ایک عرب دانشور اہل قلم محمد الاسعد نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی سے ایک خصوصی ملاقات کے دوران اسلام کے مختلف پہلوؤں اور مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔ بعد میں انھوں نے اپنے تاثرات کو قلم بند کیا جو حجاز سے شائع ہونے والے مشہور اخبار "العالم الاسلامی" میں شائع ہوا مضمون کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اس کا ترجمہ و خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میدان تبلیغ و دعوت کے ایک بالغ نظر اور تجربہ کار قائد و رہنما اور فکر اسلامی و احیاء تہذیب اسلامی کے پرجوش داعی و مفکر ہیں۔ اسلامی معاشرہ کے رستے ناسوروں اور مختلف ذہنی و جسمانی اور اخلاقی و روحانی امراض کے متعلق آپ سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ مولانا مدظلہ العالی اسلامی معاشرہ کے اندر پھیلتی ہوئی بیماریوں اور زہریلے جراثیم کے متعلق ایک خاص بنیادی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ جس کی تنقید و تطبیق اگر عمل میں آئے تو بہت سے مفاسد اور اخلاقی جرائم کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مولانا مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ اس وقت اسلامی معاشرہ میں اخلاقی جرائم جنسی انارکی اور فساد و بگاڑ کی جو ہوا چل رہی ہے۔ اور جس کی وجہ سے ایک طرح کی دراڑ اور شگاف پیدا ہو گیا ہے، اس کی بنیادی وجہ "اجتماعی نفاق" ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا مدظلہ العالی نے کچھ دنوں قبل اس سلسلے میں ایک خصوصی لکچر دیا جس میں اسلامی معاشرہ کے اندر پھیلی ہوئی اخلاقی بیماریوں، اور انکے مضر اثرات کا تحلیل و تجزیہ کیا تھا اور ان کے اسباب و علل کا بھی بے لاگ جائزہ لیا تھا، اسلام نے اپنی مؤثر اور طاقتور روحانی تعلیمات کے ذریعہ اس خطرناک مرض کا قلع قمع کر دیا تھا، لیکن وہ اب پھر سر اٹھانے لگا ہے، جس کے ازالہ اور خاتمہ کی تدابیر کرنا ہمارا اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

مولانا مدظلہ العالی نے اپنی مختلف کتابوں، رسالوں، اور دعوتی لکچروں اور علمی مقالات و مباحث میں عصر حاضر میں اسلامی معاشرہ کی خرابیوں اور برائیوں پر کھلی تنقید کی ہے۔ ہمارے خیال میں مولانا کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور اس مغربی طرز معیشت کے درمیان ایک مضبوط فصیل کھڑی کر دی جائے جو تہذیب و تمدن کے نام پر بہت سے اسلامی معاشروں میں آیا ہے۔ خصوصاً مغربی تہذیب و ثقافت کا مقابلہ کیا جائے جس سے متاثر بہت سے افراد کھل کر اپنی فکری گمراہی اور اخلاقی انحراف اور نفاق کا اظہار کرنے لگے ہیں۔

بقول مولانا مدظلہ العالی "ان نقالوں کا کہنا ہے کہ: اسلام ایک اچھا روحانی اور اخلاقی دین ہے، جس نے ماضی میں بت پرستی کا خاتمہ کرنے اور جاہل معاشرہ سے زندہ لڑکیوں کو درگور کرنے کی قبیح رسم کو بند کرنے، نیز عورتوں کو تھوڑے بہت حقوق دلانے میں کامیاب رول ادا کیا۔ اسی طرح بہت سی اخلاقی اور معاشرتی بیماریوں اور فواحش و منکرات پر قدغن لگایا ——— ان کے کہنے کا ماحصل یہ ہے کہ اب اسلام کا رول ختم ہو گیا، زمانہ بہت آگے نکل گیا۔ اور اسلام اپنی جگہ پر جامد و ساکت ہے، آج کا اصل مسئلہ تہذیب و تمدن کا مسئلہ ہے جس میں قانون اور دستور کی فرمانروائی ہے، رہا سول

....

اسلام کا تو اس نے جزیرۂ عرب اور اس کے باہر محدود پیمانے پر ضرور کچھ اصلاحی کام انجام دیئے، لیکن اس زمانے میں وہ انسانیت کی قیادت یا اس کے مسائل کا حل بالکل پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا"

مولانا مدظلہ العالی نے اس طرح کے خرافات اور یاوہ گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس طرح کی باتوں کا مقصد یہ ہے کہ مغربی تہذیب و ثقافت کی جڑوں کو اسلامی معاشرہ میں گہری کیا جائے اس تحریک کے پیچھے جو دماغ کام کر رہے ہیں وہ مغربی گود کے پروردہ ہیں، اور یہ وہ تعلیم یافتہ افراد ہیں جو فرنگی تہذیب کی چمک دمک سے مرعوب خیرہ چشم ہیں اور مغربی تہذیب کے شکنجے میں بری طرح گرفتار ہیں۔ اور یورپ کا نفاق انکے دلوں میں گھر کر چکا ہے ——— اس طبقہ کی وجہ سے جو مسئلہ سامنے آیا ہے اس کے اثرات نہایت دور رس اور خطرناک ہیں، مغربی تہذیب کے دلدل میں پھنسے ہوئے ان نااہلوں نے اس وقت اسلام کے وجود اور بقاء کے لئے ایک چیلنج پیدا کر دیا ہے، اور اس طرح ہمارے سامنے ایک ایسا مسئلہ لا کھڑا کیا ہے جس کا ماضی کی صدیوں میں دور دور تک پتہ نہیں چلتا، یہ مسئلہ اسلام کی بقا اور اس کے وجود کے تحفظ کا مسئلہ ہے"

(باقی صـ ١٦ پر)

الشیخ علی الطنطاوی: ترجمہ:- محمد وسیم صدیقی ندوی

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

کیا تم نے کبھی کوئی جنازہ جاتے دیکھا ہے؟ کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو چلتا تھا تو زمین کانپ جاتی تھی اگر بولتا تو کانوں میں رس گھولتا اگر غصہ ہوتا تو لوگ لرز جاتے زمین دہل جاتی! لیکن اس پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ وہ بے جان جسم بن گیا ایک مکھی اپنے جسم سے ہٹا نہیں سکتا نہ کتے کے ایک بچے کو دور کر سکتا ہے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا؟

کیا تم نے کبھی ایسی دوشیزہ کے بارے میں سوچا جو دل کا سرور آنکھوں کا نور سحر انگیز صد درجے پرکشش حسن و جمال کا پیکر رعنائی و زیبائش کا نمونہ تھی، جو بولتی تو منہ سے پھول جھڑتے جس کی آنکھوں میں جادو کی سی کشش تھی جس کے دونوں لب گلاب کی پنکھڑی جیسے تھے، جس کے ایک بوسہ پر دنیا و جہان کی دولت لٹائی جا سکتی تھی، جس کے مرمریں پنڈلیوں پر آن بان، عظمت و کبریائی کو قربان کیا جاتا تھا اس پر بھی ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ وہ مرمریں جسم سڑ گل جاتا ہے اور کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ یہ وہی حسین و جمیل جسم ہے جو جمالیات کی پرستش کرنے والوں کا قبلہ و کعبہ تھا اور وہ آبدار موتیوں اور سفید اولے جیسے چمکدار دانت جن سے بے پناہ دولت کے خزانے قربان کرکے بوسہ لینا اپنی سعادت سمجھی جاتی تھی وہ جسم اور وہ دانت سبھی ریزہ ریزہ ہو گئے اور بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہو گئے کیا تم نے کبھی غور کیا؟

کیا تم نے کبھی تاریخ کی کتابوں میں کسی ظالم کے بارے میں پڑھا جس کے خوف سے بڑے بڑے بہادروں کے دل دہل جاتے تھے جس کی ہیبت سے بڑے بڑے شاطر اشخاص لرز جاتے تھے کوئی شخص ان کی طرف نگاہ اٹھانے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا اور کوئی نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا تھا جس کا فرمان قانون تھا جس کا حکم فیصلہ تھا۔ اس پر بھی ایک دن آتا ہے کہ وہ تاریخ کے گم شدہ اوراق میں گم ہو جاتا ہے اور منوں مٹی کے نیچے دب جاتا ہے جس پر لوگ بے خوف و خطر چلتے ہیں اس کی قبر یا تو بچوں کی تفریح گاہ یا بیت الخلاء بن جاتی ہے۔ کیا تم ان جگہوں سے کبھی گذرے ہو جن میں چھوٹی چھوٹی گھاسیں اگی ہیں جن پر پتھر کے کتبے لگے ہیں، تمہیں معلوم بھی ہے یہی قبرستان کہلاتا ہے۔

جب تم آئے دن جنازے کے مناظر دیکھتے ہو اور ایسے واقعات کا مشاہدہ کرتے ہو تو پھر کیوں نہیں مانتے کہ دنیا میں موت بھی ایک چیز ہے اور ہر ایک کو موت آتی ہے۔

کیا تم تقریریں نہیں سنتے ہو کیا وعظ و نصیحت کی کتابیں نہیں پڑھتے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ سب دوسروں کے لیے ہے؟ تم جنازوں کو دیکھتے ہو اور ان کے پیچھے جاتے بھی ہو تو دنیا کی باتیں کرتے رہتے ہو، خواہشات و آرزوؤں کی باتیں کرتے رہتے ہو جیسے تم کو نہیں مرنا ہے۔

کیا تمہارے خیال میں کبھی یہ بات آئی کہ یہ بھی ایک دن تمہاری ہی طرح زندہ تھے ان کے دلوں میں آرزوئیں و تمنائیں تھیں جو تم سے کہیں زیادہ بڑی تھیں اور ایسی امنگیں تھیں تمہاری امنگوں سے بہت بڑھ کر۔

آخر صاحب جاہ و منصب تکبر کیوں کرتا ہے سرکشی کیوں کرتا ہے کیا وہ سمجھتا ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہے گا کیا دنیا میں کوئی ہمیشہ رہا ہے جو وہ رہے گا اور اگر دنیا باقی بھی رہی تو کیا وہ باقی رہا!!!

دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک صاحب جاہ و جلال، صاحب جاہ و منصب، صاحب شان و شوکت آئے لیکن کیا ان میں کوئی موجود ہے کیا کوئی زندہ ہے جو تم زندہ رہوگے۔ ایسے بہت سے لوگوں کو زمین نگل گئی کہ جن کے نام تک لوگوں کو یاد نہیں۔ ع

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

مالدار اپنی مالداری پر ناز کرتا ہے، طاقتور اپنی طاقت پر، نوجوان اپنی نوجوانی پر، تندرست و توانا اپنی صحت پر، کیا وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب چیزیں باقی رہیں گی؟ نہیں! ہرگز نہیں! تو پھر یہ ناز کیوں؟

کیا دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے جو موت کے چنگل سے بچ سکے یا موت اسے ڈھونڈ نہ سکے تو پھر انسان کیوں اتراتا ہے؟ اینٹ چونے کی بنی ہوئی بلند و بالا شاندار عمارت نہیں دیکھتے، ایک دن اس پر بھی ایسا آتا ہے کہ وہ ویران ہو کر کھنڈر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گھنی چھاؤں کا بڑا تناور درخت دیکھئے، ایک دن اس پر بھی ایسا آتا ہے جب وہ خشک ہو کر لکڑی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ گرجتا ہوا حملہ آور شیر اس پر بھی ایک دن آتا ہے کہ اس کا گوشت کتے کھاتے ہیں عنقریب تمام دنیا پر ایک ایسا دن آئے گا جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے بکھر جائیں گے ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کی ذات کے۔

اس دن جب ایک آواز دینے والا آواز دے گا آج کس کی بادشاہت ہے؟ تو جواب دینے والا جواب دے گا! ایک زبردست اللہ کی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے موت کو یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے: "أکثروا ذکر هاذم اللذات یعنی الموت" موت کو یاد کرتے رہو تاکہ دل کی آرزوؤں پر قابو رہے دل میں قساوت وسختی پیدا نہ ہو، موت کو یاد کرتے رہو تاکہ دل نرم رہے، ہاتھ سخی وفیاض رہے، وعظ ونصیحت قبول کرنے کی صلاحیت رہے اور ایمان ویقین پختہ رہے۔

موت کو یاد کرتے رہو تاکہ آخرت کے لیے تیار رہو اس لیے کہ دنیا ایک مسافرخانہ ہے جس میں تمہارا چند روزہ قیام ہے نہ جانے کب بلاوا آجائے۔ اگر تم تیار رہے، سامان سفر بستر وغیرہ بندھا ہا سوٹ کیس بندھا تو تم فوراً دعوت پر لبیک کہو گے اور چل دو گے لیکن اگر تمہارے کپڑے بکھرے ہوئے رہے اور بستر کھلا پڑا رہا تو نہ جانے کب بلاوا آجائے اور تم اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کر نہ تمہارے پاس توشہ ہو اور نہ کپڑے ساتھ ہوں۔

تو موت کے لیے تیار رہو اور تمام گناہوں سے توبہ کرو تاکہ تمہارا حساب اللہ کے ساتھ صاف ستھرا رہے اور حقوق العباد کی ادائیگی کرتے رہو اور مظالم کو دور کرو تاکہ لوگوں کے ساتھ بھی تمہارا معاملہ صاف رہے۔

یہ نہ سوچو کہ میں نوجوان ہوں امت کہو کہ میں عظیم ہوں امت کہو کہ میں مالدار ہوں! اس لیے کہ عزرائیل علیہ السلام جب اپنی مہم پر آجائیں گے تو وہ نہ دیکھیں گے کہ کون جوان ہے کون بوڑھا ہے کون عظیم ہے، کون حقیر ہے، کون مالدار ہے کون غریب!

اور تم نہیں جانتے کہ عزرائیل علیہ السلام تمہارے دروازہ پر کب دستک دیں گے!

بقیہ سوال وجواب

ج: کسی شخص کو روزہ کا خیال نہ رہا اس بنا پر اس نے کچھ کھا پی لیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا خواہ فرض روزہ ہو یا نفل ایسی صورت میں اگر اس میں روزہ رکھنے کی بھرپور قوت ہو تو دیکھنے والے کو یاد دلانا واجب ہے اور اگر اس میں قوت نہ ہو تو یاد دلانا ضروری نہیں ہے۔

س: کیا سر میں تیل لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج: سر میں تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔

س: کیا کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

ج: کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال: مسجد سے ملے ہوئے مدرسہ میں قرأت یا تقریر یا نعت کے لئے اساتذہ یا طلبہ مسجد کے لاؤڈاسپیکر کو استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: مسجد کا لاؤڈاسپیکر مسجد کے علاوہ کسی کام کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔

سوال: مدرسہ کے بچوں کی تربیت کے لئے بیان یا قرأت وغیرہ میں مسجد کا لاؤڈاسپیکر استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: مدرسہ کے بچوں کی تربیت کے لئے بھی مسجد کے لاؤڈاسپیکر کو استعمال نہیں کر سکتے ہیں

سوال: مسجد کی امانت (روپیہ پیسہ) کسی کو بطور قرض دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کی رقم بطور قرض نہیں دی جاسکتی ہے

سوال: کیا مسجد کے چندہ کو تجارت میں لگا کر اس کے منافع سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں؟

جواب: مسجد کا جمع شدہ چندہ تجارت میں لگانا درست نہیں ہے کیونکہ تجارت میں نفع ہونا ضروری نہیں ہے نقصان بھی ہو سکتا ہے اور مسجد کے چندہ میں ایسے تصرفات جس میں مال کے ضائع ہونے کا احتمال ہو درست نہیں ہے۔

عربی کے اگلے درجات کھولنے کا فیصلہ

مدرسہ انوار الاسلام مادھوپور، بڑہریا ضلع سیوان (بہار) ملحقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جو مجاہد جلیل مولانا سید جعفر علی صاحب بستوی کا قائم کردہ ایک تاریخی مدرسہ ہے۔ جہاں پرائمری وحفظ کے علاوہ ندوہ کے نصاب کے مطابق ثانویہ رابعہ تک عربی کی تعلیم ہوتی رہی ہے، اب مدرسہ کے ذمہ داروں نے عربی کے اگلے درجات کھولنے کا فیصلہ کیا ہے واضح رہے کہ یہاں کے زیر تعلیم طلبہ عالیہ اولیٰ کے بعد براہ راست دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلے کے مجاز ہوں گے۔ ۱۲ر شوال سے ثانویہ خامسہ تک عربی درجات میں داخلے ہوں گے۔ خواہش مند اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

سکریٹری

Madrasa Anwarul Islam

At. & P.O. Madhopur (Barharia) 841232

Ditt. Siwan - Bihar -

محمد طارق ندوی

سوال وجواب

رمضان کے مسائل

س: آج کل تراویح کی نماز ایک ہی رات میں ادا کی جاتی ہے جسے شبینہ کہتے ہیں، اس میں کچھ لوگ کھڑے ہو کر امام کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو کچھ لوگ بیٹھ کر نفل پڑھتے ہیں، تو کچھ لوگ کھانے پینے میں مصروف رہتے ہیں کیا شبینہ کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے۔

ج: شبینہ کا مروجہ طریقہ کراہت سے خالی نہیں کہ کچھ لوگ تو جماعت میں شریک ہیں اور کچھ کھانے پینے میں لگے ہیں اس طرح جماعت اور تراویح دونوں کے احترام کے خلاف عمل ہوتا ہے، البتہ اگر سارے مقتدی چست اور صحتمند ہوں اور جماعت کے ساتھ نشاط کے ساتھ نماز تراویح ادا کریں اور حافظ بھی صاف اور واضح الفاظ میں قرآن پڑھے تو ایسی صورت میں شبینہ درست ہو سکتا ہے۔

س: آج کل رمضان میں لوگ رواداری کے طور پر ہندوؤں اور لادین افراد وسیاسی لیڈروں کو افطار کے موقع پر بلاتے ہیں، اور اس موقع پر علماء اور دیندار طبقہ کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور نماز چھوڑ کر وہ لوگ ماڈرن طرز پر کھڑے ہو کر افطار کرتے ہیں کیا یہ طریقہ درست ہے؟

ج: اس طرح کی افطار پارٹی جن سے سیاسی ودنیوی اغراض وابستہ ہوں اور اس کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ مقصود شہرت وناموری ہو ساتھ ہی اس میں روزہ کا احترام بھی نہ کیا جائے اور کھانے کے اسلامی آداب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے اور پھر نماز کا چھوڑنا اس پر مستزاد، تو ایسی پارٹیوں کا انعقاد شرعاً درست نہیں ہے، رواداری کے لیے مذہب کی روح اور اس کے احترام کے خلاف عمل کرنا سخت گناہ کا کام ہے۔ اس سے مکمل احتراز لازم ہے۔

س: میری طبیعت خراب رہتی ہے، اور عمر بھی تقریباً ۷۵ سال سے اوپر ہو چکی ہے نیز آپریشن ہونے کی وجہ سے میں اس بار رمضان میں صرف تین روزے ہی رکھ سکا اور بقیہ روزوں کا فدیہ ادا کیا ہے، ابھی کمزوری برقرار ہے، کیا قضاء روزے رکھنا ہے یا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا؟

ج: صورت مسئولہ میں چونکہ سائل کافی عمر دراز ہیں اس لیے اگر ضعف وضعیفی کی وجہ سے قضاء پر قادر نہیں ہیں تو ان کا ادا کیا ہوا فدیہ کافی ہوگا۔

"والشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی المریض إذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المریض۔ (رد المختار ۲/۴۲۶)

س: بعض لوگ رات میں دیر سے کھانا کھاتے ہیں اور سحری کے وقت بیدار نہیں ہوتے ہیں اور یوں ہی روزہ رکھ لیتے ہیں کیا یہ درست ہے۔

ج: روزہ کے لیے سحری کھانا مستحب ہے بغیر سحری کھائے روزہ رکھنا جائز ہے البتہ استحباب کے خلاف ہے۔

س: انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

ج: انجکشن لگوانے سے چونکہ دوا جوف ودماغ معدہ میں نہیں پہونچتی ہے اس لیے روزہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا نہ قضا لازم ہوگی نہ کفارہ۔

س: داڑھی منڈوانے والے کی شہادت رویت ہلال میں جبکہ عرفاً وہ ثقہ ہو معتبر ہے یا نہیں؟

ج: داڑھی منڈوانے والا اگرچہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد ہو مگر اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے لہٰذا رویت ہلال میں اس کی شہادت غیر مقبول ہوگی۔

س: آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

ج: آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ ومزا کبھی حلق اور تھوک میں جو محسوس ہوتا ہے تو وہ مسامات میں ہو کر پہنچتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

س: کیا روزہ دار کسی چیز کا مزہ چکھ سکتا ہے یا اس کو چبا سکتا ہے؟

ج: کسی چیز کا مزہ چکھنا یا اس کو چبانا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو تو اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے لیے کھانا پکاتی ہو اور اس کی بدمزاجی سے یہ خوف ہو کہ اگر نمک درست نہیں ہوگا تو وہ خفا ہوگا تو چکھنا درست ہے۔ اسی طرح سے کوئی چھوٹا بچہ ہو اور کوئی چیز اس کو کھلانا ہو اور اس کا بدل نہ ہو تو ایسی صورت میں چبا کر بچہ کو دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ حلق کے نیچے اس کا اثر نہ جائے۔

س: بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں دوسرے لوگوں کو یاد دلانا چاہیے یا نہیں؟

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

سفرِ قادیان

مولانا محبوب الرحمن ازہری

(۷)

ہمارے سامنے روزنامہ دعوت دہلی کا سہ روزہ ایڈیشن مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۷۵ء ہے جس میں قادیانیوں کا پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ قرار دینا اور پاکستانی سفیر کا قادیانی رول بہت واضح ہے ہم اس کو مختصر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں پھر بھی کافی طویل ہے ذرا غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

گھانا میں قادیانیت کا پروپگنڈا اور پاکستانی سفارت خانہ

پندرہ روزہ اسپکٹ لندن کے دسمبر کی پہلی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک آزاد ممبر جناب ظفر احمد انصاری نے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ گھانا میں متعین پاکستانی سفیر کو فوراً واپس بلا لیا جائے ان پر الزام یہ ہے کہ گھانا میں قادیانیت نواز سرگرمیوں میں مصروف رہا کرتے ہیں اس سلسلہ میں چند حقائق و واقعات کا وہاں کی صحافت کی زبان میں پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آج سے تقریباً پچاس برس پہلے انگریزوں کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے قادیانی گھانا میں وارد ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد انھوں نے بڑے زور شور کے ساتھ یہ پروپگنڈا شروع کر دیا کہ ہندوستان اور پاکستان تو خالص احمدی اسٹیٹ ہے لیکن ان کے اس پروپگنڈا کا خاطر خواہ نتیجہ یوں نہ نکل سکا کہ سابق سفراء نے اس سلسلہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ اس کے برعکس بعض نے نہایت سخت رویہ اختیار کیا اور اس علاقہ کی طرف کبھی قدم نہیں رکھا جدھر ان کے مراکز و مدارس واقع تھے حتیٰ کہ موجودہ سفیر سے قبل پاکستانی سفیر جناب ارشد علی دجن کے متعلق عام خیال ہے کہ وہ قادیانی تھے اور انھوں نے ہی پاکستانی سفارت خانہ کو بلیک سہارا اسکوائر سے منتقل کر کے احمدیہ ہیڈ کوارٹر کے زیر سایہ رنگ روڈ پر لا کھڑا کیا تھا اور انھیں کے وقت میں خلیفہ سوم مرزا ناصر احمد نے مغربی افریقہ کے ملکوں کا دورہ کیا تھا) نے بھی ان کی کسی تقریب میں علی الاعلان شرکت نہیں کی۔ لیکن موجودہ سفیر جناب سید عبد المعید نے گھانا میں قدم رکھتے ہی اتنے شد و مد اور زور شور کے ساتھ پریس اور ٹیلی ویژنوں کے سیمین پردوں پر چڑھ کر ان کی تقاریب میں شرکت شروع کر دی کہ یہاں کے جو مسلمان قادیانیوں کے گھناؤنے اور گمراہ کن پروپگنڈا سے بچے ہوئے تھے وہ بھی ایک دفعہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی پاکستان ایک احمدی اسٹیٹ ہے، اس اثناء میں انھیں مختلف ذرائع سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ قادیانیت کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اور ساری دنیا کے مسلم علماء اور اداروں نے انھیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ گھانا میں مسلمان . پاکستانی حکومت اور عوام سے اس قدر متنفر اور بدظن ہو گئے کہ پاکستانی کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ ابتداء میں سفیر موصوف کی اس قادیانیت نواز پالیسی کو سیاسی مصالح کے پیش نظر یوں نظر انداز کر دیا گیا کہ ان ہی دنوں میں مشرقی اور مغربی پاکستان کا مسئلہ زور پکڑ گیا تھا اور انہیں اپنے ملک کی پالیسی واضح کرنے کے لیے مقامی اخبارات و رسائل کا سہارا لینا ضروری تھا ادھر قادیانیوں نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے انھیں اپنے ماہنامہ جنڈورنی گائیڈنس کی خدمات پیش کر دیں لیکن جب گھانا گورنمنٹ کی سیاسی پالیسی واضح ہو گئی اور مقامی صحافت بنگلہ دیش کے حق میں ہوئی تو قادیانیوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور موصوف کو ٹکا سا جواب دے دیا کہ وہ مقامی پالیسی کے خلاف نہیں جا سکتے یہی نہیں بلکہ انھوں نے "گھانین" میں قادیانیوں کا نام بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی۔"

اس سے قادیانیت اور اس کے الاؤں اور طریق کار پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اس کے بعد کا تب مضمون نے گھانا کے اخبارات کے تاریخ وار حوالے دیے ہیں کہ کس طرح پاکستانی سفیر نے گھانا میں قادیانیت کے فروغ کے لیے کھلم کھلا کوششیں کیں اور قادیانیوں کے متعدد اسکولوں وغیرہ میں جا کر تقریریں کیں۔ ساتھ ہی فوٹو بھی شائع کیے ہیں جن میں مسٹر ایس اے معید نمایاں طور موجود ہیں۔ یہ سب ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۳ء کے اواخر تک سفیر موصوف نے ببانگ دہل دل کھول کر قادیانیت کو نوازا اور پاکستان کی اسلامی حکومت اور عوام کا جی بھر کر مذاق اڑایا حتیٰ کہ بہت سے حقیقت سے باخبر قریبی حلقوں نے موصوف کی اس حرکت پر سخت تعجب کا اظہار کیا اور اخلاقی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے دبے الفاظ میں ان کو باز رکھنے کی کوشش کی لیکن ایسوں پر ذرا بھی اخلاقیات کا اثر نہیں ہوتا اور ۱۹۷۴ء کے اوائل میں کچھ چونکے جبکہ رابطہ عالم اسلامی نے فیصلہ صادر کیا۔

باقی ص ۳۶ پر

مولانا محب اللہ لاری ندوی

قاہرہ میں تعزیتی جلسہ

قاہرہ میں موجود ندویوں نے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے متعلقین نے ۸ر دسمبر ۱۹۹۳ء کو مولانا محب اللہ ندوی مرحوم کی رحلت کی خبر بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی، مولوی عمران فراہی ندوی نے ان کے انتقال کی خبر سنائی۔ سب کے لیے ایک اندوہناک خبر تھی، یہ خبر فوراً ہی تمام ندویوں تک پہنچ گئی، سب ہی اس خبر سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے، جلد ہی ایک تعزیتی نشست کی گئی اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔

سب لوگوں نے بڑے رنج و ملال کا اظہار کیا اور مولانا کے حالات پر روشنی ڈالی افادۂ عام کی غرض سے یہ حالات نذر قارئین ہیں خصوصاً مدارس کے ذمہ داروں کے لیے ان میں بڑی رہنمائی ہے۔

ادارہ

مولانا محب اللہ ندوی مرحوم تقریباً ۴۰ سال تک دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم رہے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی نظامت اور سرپرستی نے ادارہ کو جس بلند معیار پر پہنچایا اس کی شہرت جس قدر پوری دنیا میں ہوئی اور اس کا جتنا وقار بلند ہوا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ دار العلوم کا یہ عہد زریں ہے، حضرت مولانا مدظلہ کی سرپرستی میں جن حضرات نے انتظامی طور پر اپنی صلابت رائے، انتظامی صلاحیت غیر معمولی دور اندیشی اور قوت ارادی کی وجہ سے دار العلوم کی ترقی میں نہایت خاموشی کے ساتھ خدمت انجام دی، ان شخصیتوں میں ایک اہم شخصیت مولانا محب اللہ ندوی مرحوم کی بھی تھی۔

مولانا محب اللہ ندوی مرحوم نے اپنی علمی اور انتظامی صلاحیت، معاملہ فہمی اور غیر معمولی شرافت کی وجہ سے دار العلوم ندوۃ العلماء کے انتظامی معاملات میں ایک اعلیٰ معیار قائم کیا۔ اساتذہ، طلبہ اور غیر تدریسی عملہ سب کے ساتھ معاملہ مرتبے کا لحاظ کرتے ہوئے کرتے تھے لیکن ہر شخص کی عزت نفس کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، کسی معاملہ میں کسی کی دل شکنی کرنا کبھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود انتظام کو چوکس اور منظم رکھنے کے لیے قوت فیصلہ میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، ان کے نزدیک انتظامی معاملہ میں دار العلوم کا وقار اور فلاح و بہبود کو اولیت حاصل تھی، دار العلوم کے مفاد، ادارہ کے معیار اور قانون کی بالا دستی کے سامنے کبھی بھی تعلقات کو اہمیت نہیں دی اور ان کا ایسا سلجھا ہوا دماغ کہ جذبات میں کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی شرافت و مروت کا یہ حال کہ جس سے جس طرح کا تعلق قائم ہوا ہر حال میں اسی طرح نباہ کیا، تعلقات میں کوئی فرق آنے نہیں دیا۔ اور نہ ہی اعتماد میں فرق آنے دیا، مہتمم صاحب کے سوچنے، کام کرنے، فیصلہ کرنے اور معاملہ کرنے کے انداز سے جو شخص واقف ہوتا تھا۔ اس کو کبھی بھی مہتمم صاحب سے شکایت نہیں ہوتی، اس لیے کہ مہتمم صاحب معاملہ کی جب تک پوری تحقیق نہ کر لیتے اور خود سے پوری طرح مطمئن نہ ہوتے کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے، دوسروں کی رائے اور معلومات پر اعتماد نہیں کرتے تھے، وہ سنتے سب کی تھے۔ لیکن معاملہ کی تہہ تک پہونچنے کے لیے وہ اپنی ذات پر اعتماد کرتے تھے، اور اپنے طریقے سے معلومات حاصل کرتے تھے، اور معاملے کے ہر ایک پہلو کا جائزہ لیتے تھے پھر کوئی فیصلہ کرتے تھے، ان کے سوچنے کا خاص انداز تھا، اس میں مطالعہ کی وسعت اور زندگی کے تجربات دونوں شامل تھے۔

مولانا محب اللہ ندوی مرحوم عالمی شہرت یافتہ ادارہ کے مہتمم تھے، لیکن انھوں نے اپنی زندگی اس بے نفسی اور سادگی کے ساتھ گذاری کہ اس داہ کو اپنی شہرت اور عزت کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا۔ دوسروں کے سامنے کبھی اس انداز سے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا کہ دار العلوم ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کے وہ مہتمم ہیں اور دار العلوم کے داخلی معاملات کے بااختیار فرد ہیں، انھوں نے دار العلوم کی خدمت 'خدمت' سمجھ کر کی، دار العلوم کے داخلی معاملات کے بڑے ذمہ دار ہونے کے باوجود اس عہدہ کا استعمال اپنی ذات یا منفعت کے لیے حتی الامکان نہیں کیا۔ ان کے احتیاط کا حال یہ تھا کہ دار العلوم کے دفتر میں وہ جب ہوتے تھے اور کوئی تحریر جس کا تعلق دار العلوم سے نہ ہوتا تو اس کے لیے اپنا کاغذ اور قلم استعمال کرتے تھے، اگر کسی سے کوئی ذاتی کام لیتے تو کسی نہ کسی انداز سے اس کو اس کا صلہ ضرور دیتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کرے کہ بحیثیت مہتمم کے فرائض منصبی کے علاوہ وہ ذاتی کام لے رہے ہیں۔

انھوں نے درس و تدریس کا کام نہیں کیا اور نہ ہی اہم تصنیفی کام کیا۔ لیکن ان کا مطالعہ بہت وسیع اور مرتب تھا، انتظامی امور کے علاوہ ان کے پاس

جو کچھ بھی وقت ہوتا، قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ میں صرف کرتے تھے، دینی، علمی، ادبی، سیاسی غرض کہ ہر طرح کی کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں، حالات حاضرہ سے واقفیت، دنیا میں پیش آنے والے واقعات اور رونما ہونے والی تبدیلیوں کی بھرپور معلومات رکھتے تھے، عربی اور اردو کے علاوہ انگریزی کے اخبارات اور اہم ماہنامے پابندی سے پڑھتے تھے، عمر کی اس منزل میں جب کہ ان کی صحت کافی کمزور ہو چکی تھی، پوری دنیا کے تمام ممالک میں جو مختلف دور میں سیاسی و ثقافتی تبدیلیاں آئی ہیں اور موجودہ دور میں کیا حالات ہیں، ان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دنیا کی سیاسی، ثقافتی اور علمی دنیا میں پیش آنے والے واقعات اور نئی دریافتوں کی تازہ معلومات رکھنی چاہیے اگر زندہ قوم کی حیثیت سے رہنا ہے۔

مولانا محب اللہ ندوی ایک نیک اور سچے مسلمان تھے، عبادات میں ان کا معمول تو یہ تھا کہ جب تک کسی کے سہارے بھی مسجد تک جا سکتے تھے باجماعت نماز ادا کی، معاملات بھی اس قدر صاف ستھرے کہ ایک خدا ترس انسان کی تمام خوبیاں لیے اخلاق اور کردار کے انسان کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔

تعزیت

حضرت مولانا محب اللہ ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کے انتقال پر ملال کی خبر بذریعہ تعمیر حیات معلوم ہوئی جمعہ میں خطبہ سے قبل حضرت موصوف کے سلسلے میں سامعین کے سامنے تعزیتی کلمات اور خصوصیات بیان کرکے دعائے مغفرت کی۔ اور سب نے نہایت پرسکون انداز میں ناچیز کی معروضات کو سنا خدا تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے آمین۔

محمد حبیب الرحمان ندوی مدرسہ جوہر الاسلام کشن گنج

مجلس جامعہ اسلامیہ بھٹکل منعقدہ

یکم رجب المرجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۹۳ء

کی

تعزیتی تجویز

مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ کا اجلاس محترم مولانا محب اللہ صاحب ندوی کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج کا اظہار کرتا ہے، مولانا ندوۃ العلماء کے مہتمم تھے آپ نے ایک طویل عرصہ تک ندوۃ العلماء کی بحیثیت مہتمم کے بے لوث خدمت کی اور آخر وقت تک خدمت ہی میں لگے رہے اور بڑی ذمہ داری سے اس عظیم خدمت کو سنبھالتے رہے وہ ندوہ کے طلبا اور اساتذہ میں بہت ہی ہر دلعزیز تھے۔

جامعہ کا یہ اجلاس مولانا محترم کے انتقال پر ملال کو ندوہ اور مدارس دینیہ کا نقصان عظیم تصور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

بقیہ سفر قادیان

پھر بھی گھانا میں بغیر نام اور تصویر کے ان کی حرکتیں جاری رہیں چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۹۳ء کے گھانین ٹائمز کے صفحہ ۳ کی خبر کے مطابق اشوکورے میں قادیانی اسپتال کی افتتاحی تقریب میں تقریر کرتے ہوئے قادیانی جماعت کے ممبران کی تعریف کرتے ہوئے اس پروجیکٹ کو مقررہ وقت پر پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں ان کی مہارت جانفشانی اور کام کی اسپرٹ کو خراج تحسین پیش کیا گیا مگر اس موقع پر کوئی تصویر شائع نہیں ہوئی۔

وسط ۱۹۹۳ء میں واقعہ ربوہ جس کا اوپر ذکر گذر چکا ہے اس سے کچھ پہلے پاکستانی سفارتخانہ اکرا (گھانا) کے زیر اہتمام یوم اقبال بڑی شان سے منایا گیا اور اس میں گھانا کی معروف شخصیتوں کا امیر جماعت مولوی کلیم سے تعارف کرایا گیا اور دکھانے کے لیے تلاوت کلام پاک سے آغاز کا پروگرام رکھا گیا اس میں علامہ اقبال کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا اور بڑے شد و مد سے قادیانی کہتے ہیں کہ علامہ اقبال قادیانیت نواز تھے لیکن بعد میں اپنی قوم کے خوف سے بظاہر قادیانی دشمن بن گئے اور سیاسی اختلاف کے سبب اپنے بعض خطوط میں قادیانیت کے خلاف جواہر لال نہرو کو کچھ سخت سست لکھ دیا۔

قادیانیت کے یہی ہتھکنڈے دوسرے افریقی ممالک میں بھی استعمال ہوئے ہیں جہاں جہاں یہود نے اپنے لیے تنگی محسوس کی وہاں قادیانیوں کو بڑھا دیا اور اس طرح اپنے آقاؤں کے اشاروں پر خدمت انجام دیتے رہے اور بچے کھچے انداز میں آج بھی کام کر رہے ہیں۔

اللّٰھم احفظنا من شرورھم

دار العلوم سے فارغ ہونے والے طلباء کے اعزاز میں
الوداعی جلسہ

محمد عرفان دانش

سالہائے گذشتہ کی طرح حضرت مولانا مد ظلہ العالی کی زیر صدارت دار العلوم سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے طلبائے علیا اولی ادب و شریعہ نے الوداعی جلسہ کیا جس میں فارغ ہونے والے طلبہ نے اپنے گہرے تأثرات کا اظہار کیا، یہ تأثرات عربی اردو دونوں زبانوں میں پیش کیے گئے سب کا شائع کرنا مشکل ہے سب کی نمائندگی کے لیے یہ ایک مقالہ قارئین خصوصاً طلبائے مدارس کی نذر ہے۔ (ادارہ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

أما بعد! قبلۂ دیدہ و دل حضرت مولانا دامت برکاتہم صدر محترم، مشفق و محسن حضرات اساتذۂ کرام، رفقاء گرامی، اور برادران عزیز۔

ہمارا یہ علمی کارواں جو چند برس پہلے چشمۂ علم و عرفان کی تلاش و جستجو میں عازم سفر ہوا تھا آج منزل مقصود کو پہونچ رہا ہے، اسی تقریب سے احباب نے آج یہ الوداعی بزم سجائی ہے، ایک طرف منزل کو پالینے کی خوشی ہے تو دوسری طرف مادر علمی، مشفق اساتذہ اور رفیقوں کے بچھڑنے کا غم بھی، اس حال میں اپنے تأثرات کو قلمبند کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں جب ارادہ کیا تو اندازہ ہوا کہ الفاظ ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ پھر ذہن میں یہ شعر آیا جس سے ہمت بندھی۔

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

یہ چند منتشر جملے بطور خراج عقیدت اپنے اساتذہ، مادر علمی اور رفقائے گرامی کی نذر کر رہا ہوں۔ گرچہ بقول شاعر "ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد"۔

آج ہم اپنی قسمت پر نازاں ہیں کہ مالک رحیم و کریم نے ہم کو طالبان علوم نبوت میں شامل فرمایا پھر کاتب تقدیر نے ہمارا انتخاب اس عظیم ادارے کے لیے کیا مزید برآں ہم کو حضرت مولانا مد ظلہ العالی کی سربراہی نصیب ہوئی۔

یقیناً ہم آئندہ نسلوں پر فخر کر سکیں گے کہ اس دور فرخندہ و مسعود کے ہم فارغین ہیں جس کی سربراہی مولانا مد ظلہ نے فرمائی تھی۔ زہے قسمت کہ آج ہم اس سعادت سے نہال ہو رہے ہیں۔ اس پر شکر بے پایاں کے اظہار سے آج ہماری زبان گنگ ہے قلم اپنی بے بسی پر شکوہ کناں ہے۔ امڈتے جذبات کے سیلاب میں الفاظ کے بندھن ٹوٹ ٹوٹ جاتے ہیں دل کے جذبات اشکوں کی صورت بہہ کر کریم آقا کے دربار میں نذرانۂ شکر پیش کر رہے ہیں، اس محسن حقیقی کے حضور تشکر و امتنان کے یہی قطرے میرا سرمایہ ہیں۔ "اللّٰھم ما أصبح بی من نعمۃ أو بأحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر"۔

آج سے چھ سال قبل جب میں اس علمی اور روحانی کارواں میں اپنی تشنگی علم کو دور کرنے کے لیے شامل ہوا تھا تو بے علم و بے وقعت تھا لیکن مادر علمی اور مشفق اساتذۂ کرام کی فیضان بخشیوں اور ذرہ نوازیوں نے علم سے بہرہ ور کیا ذہن کے دریچوں کو کھولا ان کی مخلصانہ اور بصیرت افروز تربیت نے صدف دل و ذہن کو گوہر آب دار کی صفت عطا کی۔ مادر علمی نے شعور کی بالیدگی سے مجھے شاد کام کیا، زبان ہوشمند، فکر ارجمند، اور دل دردمند کا آئینہ دار بنایا۔ رزم زندگی، بزم زندگی، سطوت زندگی، اور شوکت زندگی سے آشنا کیا۔ مادر علمی نے شعور کی جس بالیدگی سے مجھے شاد کام کیا اس نے میرے اندر اپنے مادر علمی اس کے در و بام بزم و محفل سے نہ صرف انسیت بلکہ محبت و عقیدت پیدا کی اور میں نے اس مقدس عقیدت کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں بسایا اور سجایا کیونکہ مادر علمی میرا علمی وطن ہے ایک ایک پل میرا محسن ہے عمر کا جو حصہ یہاں گذرا میں اسے حاصل زندگانی سمجھتا ہوں۔ میں تہی دامن آیا تھا اس نے میرے دامن کو گوہر علم و فکر سے آراستہ کیا، میں ناتراشیدہ تھا اس نے مجھے تراشیدہ بنایا میں تشنۂ علم تھا اس نے مجھے شاد کام کیا۔

میرے یہ نورانی صفات بزرگ اساتذہ جیسا آبار جن سے ہمارا تعلق استاد شاگرد کا بھی ہے اور باپ بیٹے کا بھی، عزیزانہ بھی ہے اور بزرگانہ بھی مخلصانہ بھی ہے اور مشفقانہ بھی۔ ان کے احسانات کی پیہم بارش کا عشر عشیر بدل بھی میں پوری زندگی ان کی خدمت کر کے ادا نہیں کر سکتا۔ مجھے خوشی اور بجا فخر ہے کہ میرا خانۂ دل ان کی عقیدت و محبت سے لبریز و سرشار ہے اور یہ میرا وہ قیمتی سرمایۂ حیات ہے جس میں اضافہ کے لیے میں ہر آن خدا سے دست بدعا ہوں۔

اے خامہ فرسا ادب سے سر جھکا اور ان کے قدموں پر محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کرکے انہی کے فیضان نظر سے میرے اندر تجھے پکڑنے کی لیاقت اور ہمت و سکت پیدا ہوئی۔

رفقائے ندوہ:۔ آج ہم اپنی قسمت پر نازاں ہیں کہ کاتب تقدیر نے ہمارا انتخاب اس عظیم ادارہ کے لیے فرمایا تھا۔ جدا ہونے والے ایک بھائی کا پیغام آپ کو یہی ہے کہ ندوۃ العلماء کے لیے اپنے انتخاب کو خدا کی بہت بڑی نعمت سمجھئے اس کی قیمت پہچانئے خوش ہوجئے اور شکر کیجئے اور شکر کرکے مزید نعمتوں پر اپنا حق جمائیے۔ اپنی جانگسل محنت و مطالعہ کے ذریعہ اس کے فکر و پیغام کو اخذ کیجئے کہ یہی اس نعمت عظیم کا شکر ہے۔ یہاں کے وسائل سے حتی المقدور فائدہ اٹھائیے، مرکزی کتب خانہ کے علاوہ کلیۃ الشریعۃ کلیۃ اللغۃ، مکتبہ الرائد اور کتب خانہ جمعیۃ الاصلاح کی علمی، ادبی سبیلوں سے اپنی پیاس بجھائیے، تعمیر حیات، الرائد، اور البعث الاسلامی کے ذریعہ اپنے صحافتی ذوق کو پروان چڑھائیے اپنے قلم میں رعنائی، شگفتگی، رنگینی اور علمی و ادبی شان پیدا کرکے اسلوب زبان و بیان اور میدان صحافت کے شبلی و سلیمان بن جائیے جمعیۃ الاصلاح اور النادی العربی کے اسٹیجوں کو غنیمت جان کر میدان خطابت کے شاہین و شہباز بن جائیے۔

افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے ان چیزوں کو رسمی سمجھ لیا ہے۔ ان شعبوں کی قدر کیجئے، ان پر دل سے توجہ دیجئے ان کو مزید فعال بنائیے۔

دنیا نے ہمیشہ درختوں کو ان کے پھلوں ہی سے پہچانا ہے، دارالعلوم درخت ہے تو آپ اس کے پھل، ہمارے موجودہ ساتھی صرف تخم ہیں جو زمین میں ڈالے گئے ہیں یا قلمیں ہیں جو باغ میں لگائی گئی ہیں، طلبہ کی ساری آنے والی نسلیں آپ ہی کے رنگ میں اپنے کو رنگیں گی۔ آپ ہی کے نقش قدم پر چلیں گی۔ آپ اچھے تو آنے والی نسلیں اچھی، آپ معیاری تو آنے والی پیڑھی معیاری۔ خدارا اپنے آپ کو معیاری، مثالی، اور آئیڈیل بنائیے۔ یہی مادر علمی کے سچے سپوت ہونے کا ثبوت ہے۔ یہی اس کے بانیوں اور محسنوں کی آرزو و تمنا ہے۔ یہی اس کے معماروں کا خواب ہے خدارا اپنے عمل سے اسے شرمندۂ تعبیر کیجئے۔

اس مختصر اور اہم گذارش کے بعد اب پھر میں اپنے رفقاء سے مخاطب ہوتا ہوں، جن کی بزم آج درہم برہم اور محفل سونی ہوئی جارہی ہے مدتوں کا ساتھ آج چھوٹ رہا ہے۔ تحت الشعور کے پردے سے ایک آہ اٹھ رہی ہے۔ دل کی نہائیوں میں کہیں ٹیس محسوس ہورہی ہے۔ یادوں کی پروائی دل کے زخموں کو ہرا کررہی ہے، وہ پرانے ہم نشیں اور ان کی صحبتیں، وہ بے فکری کی ہنسی اور چہچہے، وہ نوعمری کے عزم و ولولے۔ وہ طالب علمی کی راتیں اور ان میں بیداریاں، وہ آپس کی نوک جھونک اور پھر ہمدردیاں اور غمگساریاں، وہ یہاں کے صحن اور میدان کے کھیل کود، وہ یہاں کی مسجد کے رکوع و سجود، وہ امتحان کی کامیابیاں اور کبھی ناکامیاں، وہ استادوں کی شفقتیں اور کبھی جھڑکیاں آہ، کتنی مٹھاس تھی اس وقت کی تلخیوں میں اور کتنی لذت تھی اس سن کی بدمزگیوں میں۔ اف یہ لمحات کبھی بھولے نہ جائیں گے، اشکوں کے پیہم قطرے بھی اس داغ مفارقت کو نہ دھوسکیں گے۔ کتنی سرعت کے ساتھ یہ خوشگوار لمحات حصۂ ماضی بن گئے۔ بقول شاعر ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

کاش وہ زمانہ پھر آتا! کاش بس میں ہوتا بھلانا گئے سن کا گزرے ہوئے دن کا کاش ممکن ہوتا زمانہ کی گھڑی کو الٹا گھمادینا۔ مگر بقول شاعر ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

زندگی اب ایک نئی کروٹ لے رہی ہے اور عربی شاعر کے الفاظ میں ہے ؎

وقد نکون وما یخشیٰ تفرقنا
فالیوم نحن وما یرجیٰ تلاقینا
ان الزمان الذی ما زال یضحکنا
انسا بقربکم قد عاد یبکینا

زندگی کی ہر نئی شام و سحر آپ کی یاد دلائے گی اور آٹھ آٹھ آنسو رلائے گی۔

دل رکھتے ہو اگر یارو! تو کہہ دو خدا لگتی
کیا تم سے الگ رہنا کیا دل نہ دکھائے گا
جس حال میں ہم ہوں گے ایک حشر بپا ہوگا
ایام گذشتہ کا کچھ دھیان جب آئے گا

میں رخصت ہوتے ہوئے دست بستہ اپنے محسن اساتذۂ کرام، اور مخلص ذمہ داران سے معافی مانگتا ہوں جن کی شان میں نہ جانے مجھ سے کیسی کیسی بے ادبیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی، خدارا میری ان غلطیوں اور میرے سبب ہونے والی ناگواریوں کو اپنے دامن عفو میں جگہ عنایت فرمائیے، آپ کی قیمتی دعائیں اور آپ سے وابستگی ہی آپ کے اس فرزند معنوی کی آئندہ زندگی میں سوغات اور ترقی کی ضامن ہوں گی۔

میں اپنے ہر چھوٹے بڑے بھائی سے بصد الحاح درخواست کرتا ہوں کہ اس ناچیز سے پہنچنے والی ہر تکلیف کو معاف کرکے مجھ پر احسان کریں اور آخرت کی بازپرس سے بچالیں۔ رخصت ہونے والے رفقاء و احباب سے میں خصوصاً عرض کروں گا کہ آپ سے تعلق مجھے عزیز ہے خدارا اسے استوار رکھئے مجھے معاف کیجئے اور دوستانہ فراخیٔ قلب کا ثبوت دیجئے۔

اے ندوہ! اے مادر علمی میں تیرے چمن کی کن کن شاخوں پر چہچہایا کن کن چشموں سے سیراب ہوا

(باقی ص ۱۶ پر)

بقیہ درس حدیث

• ارتداد و بے دینی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت کے لیے ایسی صفات بیان کی جائیں اور ان کا عقیدہ رکھا جائے جو اس کے شایان شان نہیں، لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسموں میں حلول کرتا ہے (یعنی کسی جسم میں داخل ہوجاتا ہے سماجاتا ہے) وہ شخص کافر اور گمراہ ہے۔ یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے، یا یہ کہے کہ (اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں) یہ ساری باتیں کفر و گمراہی کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی؛ نہ اس کی ذات کے اعتبار سے نہ صفات کے اعتبار سے۔ اس کی ذات بے ہمتا، زمان و مکان، حلولیت و جسمیت سب سے منزہ اور پاک ہے وہ اپنے جلال و کمال، بڑائی و یکتائی اور ربوبیت میں بے مثال ہے (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ) انعام۔۱۰۳

(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔

(لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔ (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ)۔

نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

• ارتداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسلام کی بعض چیزوں پر ایمان لایا جائے اور بعض چیزوں کا انکار کیا جائے، مثلاً کوئی کہے کہ میں اس پر ایمان رکھتا ہوں کہ اسلام عبادت اور اخلاق کا دین تو ہے لیکن میں اس پر نہیں ایمان رکھتا کہ وہ قانون حکومت اور دستور حیات بھی ہے، اسلام کے متعلق یہ تصور و خیال آدمی کو ارتداد کا شکار بنادیتا ہے اور اس کو کفر کا مرتکب بنادیتا ہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ)

(یہ کیا بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں؟

اس کے علاوہ اسی طرح کے اور بہت سے باطل عقائد، غلط نظریات ہیں جو اپنے اپنانے والوں کو ارتداد کا شکار بنادیتے ہیں اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج کردیتے ہیں۔

موجودہ حالات سے حدیث کی تطبیق

۱۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَحَبّ" تفضیل کا صیغہ استعمال فرمایا ہے تاکہ یہ بات واضح فرمادیں کہ حلاوت ایمان کے لیے تنہا محبت کافی نہیں بلکہ یہ محبت دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہو، محبت کی دیگر قسموں سے ممتاز و فائق ہو، مثلاً اپنی ذات سے محبت، اولاد سے محبت، بیوی سے محبت، مال و شہرت کی محبت، لہٰذا جو شخص اپنے اندر یہ محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو تمام محبتوں پر مقدم رکھے۔

۲۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی بھی ایک لذت ہے جو دل میں حسی محبت کی طرح ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ جاتی ہے اس کا احساس اسی شخص کو ہوتا ہے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو، جس کے نتیجہ میں وہ فضائل اخلاق سے سنورنے کی فکر کرتا ہے، احکامات پر عمل کے لیے کوشاں رہتا ہے، دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے، پست اور گھٹیا باتوں سے جن سے دین نے منع کیا ہے بچتا ہے، اس سے خود دور رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتا ہے لہٰذا مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دوستی اور اسی سے محبت کرے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو محبت کی دیگر تمام قسموں پر مقدم رکھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لیے مسخر کردیا ہے اور ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نعمتوں سے انسان کو خوب خوب نوازا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالائے اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود اور پابندیوں سے بال برابر نہ ہٹے، ورنہ وہ اپنے دعوۂ محبت میں جھوٹا اور ایمان کی کڑی کو توڑنے والا ہوگا۔

۳۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ محبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا چاہیے، اس لیے کہ آپ ہی کی ذات انسانوں کے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے، آپ نے امانت رسالت کا حق ادا کیا اور امت کی خیرخواہی کی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری دنیا کے لیے رحمت بناکر بھیجا۔

اب اگر بندہ مومن اللہ اور اس کے رسول سے محبت کے اس معیار پر نہیں اترتا تو اس کو ایمان کی مٹھاس نہیں نصیب ہوگی اور نہ اس کی لذت سے لطف اندوز ہوسکے گا۔

آج اس بات کی کتنی شدید ضرورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے صحابۂ کرام کی محبت کے قصے پڑھیں کہ واقعی ان کو اللہ کے رسول سے محبت تھی، اور آپ کی محبت کو اپنی جانوں پر بھی مقدم رکھتے تھے اور آپ کے پیچھے سب کچھ قربان کردینے کو تیار رہتے تھے، اس لیے کہ ان کو ایمان کا مزہ مل گیا تھا اور اس سے لطف اندوز ہوچکے تھے۔

ندوہ کے شب و روز

محمد ابو البقا

طلبہ امتحان کی تیاری میں ہمہ تن مصروف تھے لیکن ان کی ایک آخری کڑی جسے الوداعیہ پروگرام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے باقی تھی۔ اور طلبہ حضرت مولانا کا شدت سے انتظار کر رہے تھے۔

النادی العربی کے تقسیم انعامات کا جلسہ

۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ بروز جمعرات بعد نماز عشاء حضرت مولانا کی صدارت میں جمالیہ ہال میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا۔ اور سارے کامیاب ہونے والے طلبہ کو حضرت مولانا کے ہاتھوں انعام دیا گیا، اخیر میں صدر محترم نے عربی ادب کی اہمیت اور اس سلسلہ میں ابنائے ندوہ کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ عرب ممالک (جو عربی ادب کے مراکز ہیں) نے بھی ندوۃ العلماء کے نصاب کو سراہا۔ اور بعض کتابوں کو اپنے نصاب میں شامل بھی کیا۔ اور طلبہ کو عربی ادب سے بھرپور دلچسپی لینے کا مشورہ دیا۔

عالیہ رابعہ شریعہ کے طلبا کیلئے حضرت کا خصوصی درس:۔ سابقہ روایتوں کے مطابق فضیلت دوم، تخصص دوم اور عالیہ ادب ع رابعہ شریعہ ع کے طلبا نے مختلف گروپوں میں رائے بریلی میں قیام کر کے حضرت مولانا مد ظلہ سے خصوصی درس لیا رابعہ شریعہ کے طلبہ کی تعداد ڈھائی سو کے قریب تھی اور وقت بھی کم تھا اسلئے حضرت مولانا سے دارالعلوم کے اندر ہی درس دینے کی گذارش کی گئی ہے جس کو آپ نے قبول فرمایا اور تین کتابوں کا محاضرہ طے فرمادیا۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا درس ۲۹ رجب بروز جمعرات سلیمانیہ ہال میں ہوا۔ کتاب کا نام "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" تھا۔

مولانا نے سب سے پہلے کتاب کی تصنیف اور اس کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ یہ اتنا اہم موضوع تھا کہ اس پر کسی بڑے صاحب قلم کو جو تجربہ کار بھی ہو قلم اٹھانا چاہیے تھا۔ لیکن کم سنی کے باوجود میں نے اپنے ضمیر کے فیصلے کے تحت اخلاص کے ساتھ قلم اٹھایا، خدا کا شکر ہے کہ ناچیز کی اس تصنیف کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور بیروت سے چودھواں قانونی ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ فرمایا کہ! تم لوگ بھی جب کتاب کی تصنیف وتالیف کا ارادہ کرنا یا اور کوئی بھی خیر کا کام کرنا تو اپنی نیت کو خالص کر لینا

دوسرا درس بروز جمعہ بعد نماز مغرب سابقہ جگہ پر رکھا گیا۔ موضوع تھا "دور الحدیث فی تکوین منہاج الاسلامی" آپ نے انسانی معاشرے کے اندر احادیث رسول اور سیرت رسول کی اہمیت کا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اعداء اسلام کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ احادیث نبویہ کے اندر شکوک وشبہات پیدا کر دیا جائے جس کی بنیاد پر اسے اپنے رہبر اعظم اور تابناک ماضی سے کاٹ کر رکھدیا جائے اس لئے ضرورت ہے کہ ہم حدیث کی تعلیم کو عام کریں تاکہ مسلمانوں کی کمزوریا دور ہوسکیں۔

اس سلسلہ کی تیسری اور آخری کڑی بروز سنیچر بعد نماز مغرب تھی جس میں "الصراع بین الفکرة الاسلامیہ والفکرة الغربیہ" کے عنوان سے آپ نے محاضرہ دیا اور اس کتاب کے اسباب تصنیف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مغربی افکار ونظریات کے سیلاب نے عالم اسلام کی دیواروں میں شگاف پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور خلافت جیسی عظیم دولت کو مسلمانوں سے چھین کر ترکی و اسپین پر اپنی حکومت قائم کر لی اور آج بھی سارے عالم اسلام پر انہیں کا تسلط اور غلبہ ہے، مصر، الجزائر، لبنان جو اسلامی مراکز سمجھے جاتے تھے آج ان کے تذکرہ سے ہندی مسلمانوں کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اخیر میں آپ نے طلبہ کو ان باطل نظریات کے مقابلہ کی تیاری کا مشورہ دیا۔ اور اس طرح امسال عالیہ رابعہ کے طلبہ حضرت مولانا کے بلاواسطہ شاگرد ہو گئے۔

ختم ترمذی شریف

۳ شعبان بروز اتوار ۱۱ بجے دن حضرت مولانا نے ترمذی شریف ختم کرائی۔ اس موقع پر سارے اساتذہ اور طلبہ موجود تھے۔ حضرت مولانا نے حدیث کی تعلیم اور احیاء سنت کے فریضہ کو انجام دینے کا مشورہ دیا۔ دعا پر اس مبارک مجلس کا اختتام ہوا۔

رخصت ہونے والے طلبا سے حضرت مولانا کا آخری خطاب اس پروگرام کے تحت طلبا اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہیں اور اساتذہ کرام انھیں مستقبل کیلئے مشورہ دیتے ہیں، حضرت مولانا نے اس موقع پر الوداع کہتے ہوئے طلبہ کو اسی دعائیہ کلمہ کے ساتھ رخصت کیا جس کے ذریعہ حضور اپنے صحابہ کرام کو رخصت کیا کرتے تھے "أستودع الله دينكم وأمانتكم وخواتيم اعمالكم" اور فرمایا کہ آپ وہاں بھی رہیں اپنے اسلامی تشخصات کے ساتھ قائم رہیں تاکہ آپ کی آپ کے والدین کی اور اس ادارے کی نیک نامی ہو

ملحقہ مدارس سے طلبہ کی آمد! سال گذشتہ کی طرح امسال بھی دارالعلوم کے ملحقہ مدارس سے طلباء کی کثیر تعداد امتحان میں شرکت کے لئے پہونچ گئی ہے

دعائے مغفرت

• معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انگریزی کے استاذ ماسٹر عبد الحق صاحب کے والد محترم محمد ایوب چودھری صاحب کا ۶۸ سال کی عمر میں ۲۳ جنوری ۱۹۹۴ء کی رات کو ندوۃ العلماء میں انتقال ہو گیا۔ نماز جنازہ ندوہ میں پڑھی گئی اور تدفین آبائی وطن بستی میں ہوئی۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اپیل

(مولانا) معین اللہ ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء)
(مولانا) محمد رابع ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

نوٹ:۔ چیک ڈرافٹ منی آرڈر مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ کریں مرسلہ رقم جس مد کی ہو اس کی صراحت ضروری ہے چیک یا ڈرافٹ بمعرفت یہ لکھیں: ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
NAZIM NADWATULULMA-Lucknow.

اس وقت پورا عالم مصائب وآفات سے دوچار ہے اور دنیا کے کسی گوشہ میں چین وسکون نہیں نظر آرہا ہے۔ قتل وغارتگری لوٹ مار اور دوسرے [illegible] عام ہو گئی ہے خود مسلمان جو امت دعوت تھے ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں ان حالات کی جو بھی توجیہ کیجائے۔ بہر حال حقیقت یہی ہے کہ یہ دین سے دوری اور غفلت کا نتیجہ ہے۔ لہذا ہماری اولین ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں اپنے ماحول کو دینی ماحول بنانے کی کوشش کریں، نیز اپنے علاقوں میں دینی مکاتب ومدارس قائم کر کے علم دین کو عام [illegible] کہ تمام برائیوں کی جڑ دین سے ناواقفیت وبے خبری ہے مدارس ومکاتب کے سلسلہ میں ہر شخص جو کوشش کر سکتا ہو کرے کیونکہ خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود مدارس ہی وہ سرچشمہ ہیں جہاں سے جہالت کی [illegible] پھیلتی اور انسانیت کی کھیتی ہری ہوتی ہے انہیں سے وہ افراد نکلتے ہیں جو زندگی کے ہنگاموں میں دین وایمان کی شمع روشن کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ لہذا مدارس کی بقاء وتحفظ اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر مسلمان کو کمربستہ ہو جانا چاہیے اور جو کچھ بھی کرسکتا ہے کرے۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور دینی مسائل کے سلسلہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمات محتاج تعارف نہیں اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ ایک سو سال ہو گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی ودینی خدمات انجام دی ہیں۔ ادارہ کی خوش قسمتی ہے کہ ایک مدت سے اس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مد ظلہ العالی کی توجہ اور سرپرستی بھی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن سکا اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت اور دینی زندگی کے لئے اس کے طلباء اساتذہ اور کارکنان حتی الوسع کوشاں ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور ان کی تعداد برابر بڑھتی جارہی ہے اور مختلف ممالک سے داخلہ کی درخواستیں برابر آتی رہتی ہیں جس کی بناء پر داخلوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے۔ دارالعلوم خاص طور سے معہد دارالعلوم میں باوجود وسعت کے بہت تنگی محسوس ہورہی ہے داخلہ کے امیدوار بہت سے طلباء کو ہر سال واپس ہونا پڑتا ہے یہ صورتحال ذمہ داران دارالعلوم کیلئے باعث فکر وتشویش ہے چند سال قبل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لکھنؤ سے ۱۱ کلومیٹر کے فاصلے پر موضع بہیٹہ سٹوس میں حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء سے عقیدت رکھنے والے دیندار مسلمانوں کے تعاون سے ایک وسیع آراضی مع ایک قدیم وخستہ مسجد کے حاصل ہو گئی تھی جس میں فوری طور پر ایک مدرسہ کا اجراء کر دیا گیا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ تقریباً سات سال سے وہاں علاوہ مکتب اور بچیوں کے الگ مدرسہ کے شعبۂ حفظ اور عربی پنجم تک کی تعلیم ہورہی ہے۔ کئی سال تک یہ پورا نظام مسجد کے تنگ وخستہ حجروں میں انجام پاتا رہا، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ اللہ کے مخلص صاحب خیر اور باتوفیق بندوں کے تعاون سے خستہ مسجد ایک خوبصورت اور وسیع مسجد میں تبدیل ہو گئی اور خستہ حجروں کی جگہ درسگاہ اور دارالاقامہ کے لئے مع دو وسیع ہالوں کے ایک دو منزلہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے اس عمارت سے متصل مطبخ اور دارالطعام (ڈائننگ ہال) بھی تیار ہو گیا ہے ذیل کی تصویر میں مسجد کے مغربی جانب اقامت گاہ درسگاہ نظر آرہی ہے۔ اس کے داہنے بازو پر مطبخ کی عمارت ہے جو آپ کی نظروں سے اوجھل ہے۔ ان عمارتوں کی تکمیل میں اب تک ۱۰ لاکھ سے زائد خرچ ہو چکے ہیں۔ تعداد اسٹاف مع اولی ملازمین ۲۹ تعداد طلباء وطالبات ۳۸۴۔

فی الحال فوری طور پر مدرسۃ البنات کی درسگاہ اور اساتذہ کے رہائشی مکانات کی تعمیر بہت ضروری ہے [illegible] دارالعلوم کے اندر بھی دارالاقاموں کی تنگی کے سبب ۴۰ کمروں [illegible] دارالاقامہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے جس میں ایک کمرہ کا تخمینہ ۴۰ ہزار روپے تقریباً [illegible] لاکھ روپے خرچ ہوں گے امید ہے کہ جن بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے وہ تعمیری کاموں میں دل کھول کر حصہ لیں گے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کی خاطر کمرے بنوائیں گے یا کسی ایک حصہ کی تکمیل کا بار اٹھائیں گے انشاء اللہ بلا حساب ہوں گے کیونکہ جو کچھ خرچ ہوگا اللہ کی راہ میں اور آخرت کے نام پر خرچ ہوگا جس کا اجر بھی بے حساب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو کچھ ہم نے انکو عطا کیا ہے اس سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (البقرہ)

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

نیت سب کچھ ہے

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ اور ایک درویش کا انتقال ہوا کسی نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ تو جنت میں ٹہل رہا ہے اور درویش دوزخ میں پڑا ہوا ہے، کسی بزرگ سے تعبیر پوچھی تو کہا کہ وہ بادشاہ صاحبِ تخت و تاج تھا مگر درویشی کی تمنا کرتا تھا اور درویشوں کو بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اور یہ درویش تھے تو فقیر بے نوا مگر بادشاہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح اگر کوئی شخص مسجد میں ہے اور اس کا دل لگا ہوا ہے کہ جلدی نماز ہو اور میں اپنے کام کو جاؤں تو گویا وہ مسجد سے باہر نکل چکا اور کوئی بازار میں ہے اور اس کا دل مسجد و نماز میں لگا ہوا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے۔ یہی معنی ہیں: انتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ کے، زہد خانقاہ میں بیٹھنے کا نام نہیں ہے۔

معلوم نہیں ہم کہاں ہیں، اس کا حال تو قیامت میں معلوم ہوگا "فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" وہاں ادھر کا پلہ بھاری ہوا تو ادھر، اگر ادھر کا پلہ بھاری ہوا تو ادھر۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ
"صحبتِ با اہلِ دل"

اس شمارہ کی قیمت دس روپئے
سالانہ سو روپئے
۲۵ فروری و ۱۰ مارچ ۱۹۹۴ء

Regd. No. LW/NP56

Office : 385538
Princ. : 72336
G. House : 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ۔ عرق گلاب و دیگر عرقیات
کی
ایک قابلِ اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
خط و کتابت کا پتہ۔
اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس، چوک لکھنؤ

اظہار احمد اینڈ سنس
پرفیومرس
چوک، لکھنؤ
عطر حنا
عطر شمامہ

IZHAR AHMAD & SONS
PERFUMERS
TRADE MARK
CHOWK-LUCKNOW
226003

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کے لیے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر۔ ۲۶۷۹۱۰
267910

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات سے
بمبئی کے قارئین تعمیر حیات حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیر حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants

44, HAJI BUILDING,
S. V. PATEL ROAD, NULL BAZAR,
BOMBAY 400003
TELE.: ADD CUPKETLE TEL.
3762220/3728708
TEL. (R) 3095852

تعمیرِ حیات میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیں۔